جلد ۱۹ و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن) عدد ۷

ماہنامہ میثاق لاہور

جولائی ۱۹۷۲ء

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

اس پرچے میں

مجوزہ خاکہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

★

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم-بی-بی-ایس (پنجاب) ایم-اے اسلامیات (کراچی)

★ ★ ★ ★ ★

:- یکے از مطبوعات :-

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱ (فون ۶۹۵۲۲)

قیمت فی پرچہ: سوا روپیہ

دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور

کا مقصد

عُلومِ قرآنی کی عُمومی نشرواشاعت

ہے : تاکہ

① عوام کی توجّہات قرآن حکیم کی جانب مُنعطف ہوں، ذہنوں پر اُس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اُس کی محبّت جاگزیں ہو ——— اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

② بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور اُن میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پُوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشرواشاعت کیلئے وقف کر دیں؛

تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام

کی راہ ہموار ہو سکے!

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

دعوتِ توثیقِ عہد الست و تجدید میثاق ایمان کا علمبردار

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۱۹ —— شمارہ ۷

بابت

جولائی سنہ ۱۹۷۲ء

فی پرچہ —— سوا روپیہ

سالانہ —— دس روپے

شرائط ایجنسی

ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے:

پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا:

کمیشن ۳۳ ۱/۳ فی صد —— محصول ڈاک بذمہ میثاق'

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور

فون: ۶۹۵۲۲

فہرست مضامین

★ تذکرہ تبصرہ ——— اسرار احمد ۳
★ تدبر قرآن ——— مولانا امین احسن اصلاحی
● تفسیر سورۂ توبہ (۷) ——— ۹
★ مقالات و مضامین ———
● قرآن مجید کی اثر انگیزی (۲) ——— مولانا ضیاء الدین اصلاحی ۲۸
● ذکر الٰہی اور اشغال کی چند حکمتیں ——— مولانا افتخار احمد بلخی ۴۱
● فضیلت ابو بکرؓ و عمرؓ ——— شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۵۱
● برٹرینڈ رسل کے خیالات ایک تحقیقی تجربہ ——— وحید الدین خان ۵۵
● تاریخ عالم کا ایک درخشاں باب ——— تالیف: ڈاکٹر سٹین وڈ قاب، ترجمہ: پروفیسر اعجاز احمد چودھری ۶۵
★ رفتار کار حلقہ ہائے مطالعہ قرآن ———
● ششماہی رپورٹ حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کراچی ——— شیخ جمیل الرحمٰن معتمد عمومی ۶۸
● ایک اہم اعلان ——— ۶۴
★ مجوزہ خاکہ "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" ——— ۷۳

اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

گزشتہ اشاعت میں ہم نے "مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور" کی تاسیس کا پس منظر وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا تھا۔ حالیہ اشاعت میں اس کے "قواعد و ضوابط" کا مجوزہ خاکہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اور چونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اس کے بارے میں بعض اشکالات ضرور پیدا ہوں گے۔ لہٰذا مناسب نظر آتا ہے کہ بعض وضاحتیں پہلے ہی پیش خدمت کر دی جائیں۔

پہلا اشکال جو اس کے مطالعے سے نہ صرف یہ کہ پیدا ہو سکتا ہے بلکہ بعض رفقاء کی نجی گفتگوؤں میں سامنے آ بھی چکا ہے، یہ ہے ——— کہ اس انجمن سے وابستگی کی اصل بنیاد پیسہ ہے اور اس میں کسی کی حیثیت کا تعین بھی اس کے زرِ تعاون کی مقدار پر مبنی ہے جبکہ کسی دینی کام کی اصل اساس جذبہ و خلوص اور عملی دلچسپی اور واقعی محنت پر ہونی چاہیئے۔

تو اگرچہ یہ اعتراض بالکلیہ تو صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ مجوزہ خاکے میں ایسے لوگوں کی رکنیت کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے جو چاہے یکمشت زرِ تعاون کچھ بھی نہ پیش کر سکیں لیکن وقت اور صلاحیتوں اور قوتوں کا اثاثہ لے کر شریک ہوں (فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ) اور صرف حسبِ استطاعت ایک ماہانہ زرِ تعاون ادا کرتے رہیں اور نہ صرف یہ کہ ایسے حضرات کی مستقل نمائندگی مجلس منتظمہ میں رکھی گئی ہے بلکہ اس کا امکان بھی رکھا گیا ہے کہ مجلس منتظمہ کے دو نامزد ارکان بھی ایسے ہی لوگوں میں سے لیے جا سکیں ——— تاہم اصل بات یہ ہے کہ پیش نظر انجمن کی حیثیت جماعت کی نہیں بلکہ صرف ادارے کی ہے اور یہ ہمارے پیش نظر کام کا کل نہیں بلکہ صرف ایک جزو ہے۔

واضح رہے کہ راقم الحروف اپنی ذہنی ساخت اور مزاج و طبع کی افتاد کے اعتبار سے محض انجمن سازی پر نہ کبھی پہلے مطمئن ہو سکا ہے نہ اب مطمئن ہو سکتا ہے بلکہ اس کے پیش نظر بحمد اللہ اعلاءِ کلمۃ اللہ اور اظہارِ دینِ حق کا بلند و بالا نصب العین ہے اور اس کے لیے ایک ہمہ گیر جدوجہد ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد

ہے ——— پھر یہ بات بھی اس پر بخوبی واضح ہے کہ یہ کام انجمنوں کے ذریعے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے لازم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قولِ مبارک[1] کے مطابق سمع و طاعت اور جہاد و ہجرت کی بنیادوں پر ایک باقاعدہ جماعت قائم کی جائے۔ اور اسے امید واثق ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اس کی زندگی میں یہ مرحلہ بھی ضرور آ کر رہے گا۔ تاہم ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مناسب وقت کب آئے گا اور فی الوقت ان مقاصدِ عظیمہ کی اصل جدوجہد کی تمہید کے طور پر صرف تعلیم و تعلّم قرآن کے جزوی کام پر اکتفا کئے ہوئے ہے اور پیشِ نظر انجمن کی حیثیت اس جزوی کام کے بھی ایک محدود شعبے کی ہے۔

چنانچہ مجوّزہ انجمن کی قراردادِ تاسیس کے الفاظ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ "منبعِ ایمان و یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت" بجائے خود مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی "اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور غلبہ دینِ حق کے دورِ ثانی" کی شرطِ لازم یعنی "تجدیدِ ایمان کی عمومی تحریک" برپا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

اور اس کام میں بھی راقم اپنے اصل رفیقِ کار اور دست و بازو ان باہمّت لوگوں ہی کو سمجھتا ہے جو تعلیم و تعلّم قرآن کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیں اور اس کے لیے اپنے آپ کو ہمہ تن وقف کر دیں یا پھر کم از کم قرآن حکیم کے جانب ایک عام توجّہ و التفات اور عوام و خواص میں کلامِ الٰہی کے ساتھ ایک عمومی دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اپنے اوقاتِ عزیز کا معتدبہ حصّہ صرف کریں اور اس مقصد کے لیے اپنی تحریری اور تقریری صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ مسلسل چار سال تک راقم الحروف نے یہ کام بالکل تن تنہا کیا اور اسے کسی جماعت یا تنظیم کے قیام کا خیال تو دور رہا کسی انجمن یا ادارے کی تشکیل کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو وسعت عطا فرما دی ہے اور کچھ لوگوں کو تعلیم و تعلّم قرآن کے اس عظیم کام میں عملاً شرکت کی توفیق بھی عطا کر دی ہے تو بعض ناگزیر تقاضے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن میں پیسے کا صَرف لابدّ منہ ہے جو صرف سینکڑوں اور ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں اور اگر اللہ نے چاہا تو کروڑوں میں ہو گا۔

ان تقاضوں میں سے اوّلین یہ ہے کہ اس "تحریکِ رجوع الی القرآن" کا ایک مرکز ہو جو نہ صرف یہ کہ اس سے وابستگان کے باہمی رابطے کا ذریعہ بنے بلکہ وہاں تعلیم و تعلّم قرآن کے لیے مناسب ماحول پیدا کیا جائے، مراجعت کے لیے ضروری کتب موجود ہوں، اور جو نوجوان اس کام میں ہمہ تن لگنے کو تیار ہوں ان کی

---

[1] "اَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ: اَلْجَمَاعَةِ، وَالسَّمْعِ، وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

تعلیم و تربیت کا ضروری بندوبست ہو۔

ثانیاً ایسے نوجوانوں کی کفالت کا اہتمام بھی ضروری ہے جو اس کام کے لیے پوری زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں۔

مزید برآں نشر و اشاعت اور طباعت کتب و جرائد کا کام ہے جس کے لیے زرِ کثیر کی حاجت ہے۔ پھر مطبوعات چاہے مفت تقسیم ہوں چاہے لاگت سے بھی کم (SUBSIDISED) قیمت پر چاہے مناسب نفع کے ساتھ بہرحال اس کے لیے ایک باقاعدہ نظم ضروری ہے۔

مجوّزہ انجمن دراصل ان ہی کاموں کے لیے ضروری سرمائے کی فراہمی اور ان کے ضمن میں اخراجات وغیرہ کی مناسب نگرانی کے لیے قائم کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ڈھانچہ ایسا تجویز کیا گیا ہے کہ جو لوگ جس قدر زیادہ سرمایہ اس کام کے لیے پیش کریں اخراجات وغیرہ کی نگرانی میں ان کا حصہ اسی قدر زیادہ ہو تاکہ انہیں اطمینان رہے کہ ان کا سرمایہ ان ہی مقاصد کے لیے صرف ہو رہا ہے جن کے لیے انہوں نے پیش کیا تھا۔

بہر نوع، جو ابتدائی کام فی الوقت پیش نظر ہیں مجوّزہ انجمن ان کے بھی صرف مالی پہلوؤں پر حاوی ہو گی۔ رہا دعوتِ رجوع الی القرآن کا اصل کام تو یہ اصلاً ان لوگوں سے متعلق ہو گا جنہیں جسم و جان کی قوتوں اور صلاحیتوں اور اوقاتِ عزیز کے ایثار کی توفیق بارگاہ ربّ العزّت سے ارزانی ہو جائے۔

دوسرا اعتراض جو اس جمہوریت نواز بلکہ جمہوریت پرست دور میں انجمن کے مجوّزہ خاکے کے بارے میں پیدا ہونا لازمی ہے یہ ہے کہ اس میں "صدر مؤسس" کی حیثیت تحکمانہ ہی نہیں آمرانہ ہے۔

ہمیں یہ اعتراض جوں کا توں قبول ہے ——— بلکہ ہم اس اعتراف میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ ہمارے نزدیک کسی دینی خدمت خصوصاً احیائی کوشش کے لیے جو بھی انجمن یا ادارہ وجود میں آئے یا جماعت یا تنظیم قائم ہو اس کا نظم اسی نوعیت کا ہونا چاہیے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح کی کسی بھی کوشش کا آغاز بالعموم اسی طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فرد کے دل میں اس کام کے لیے ایک شدید داعیہ بھی پیدا فرما دیتا ہے اور اس سلسلے میں موجود الوقت ظروف و احوال کی مناسبت سے اسے کسی خاص طریق کار اور منہج عمل کے لیے انشراح صدر بھی عطا فرما دیتا ہے، تب یہ فرد اس کام کو لے کر اٹھتا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے اور صلائے عام دیتا ہے کہ "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ؟" چنانچہ جن لوگوں کو اس کے خیالات سے اتفاق اور خود اس پر شخصی اعتبار سے فی الجملہ اعتماد ہوتا ہے وہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اسے آپ سے آپ ان لوگوں کی رہنمائی کا منصب حاصل ہو جاتا ہے۔

اب ایک صاف اور سیدھی سی صورت تو یہ ہے اس حقیقت کو خود بھی قبول کیا جائے اور اسی کا اعلانِ عام بھی ہو تاکہ جو بھی آئے اس صورت کو ذہناً قبول کر کے آئے اور بصورت دیگر اپنے لیے کوئی اور راہ تجویز کرے ——— اور دوسری صورت جس میں خواہ مخواہ کا تکلّف ہی نہیں ایک قسم کا فریب بھی شامل ہے، یہ ہے کہ گندم نمائی وجَو فروشی کی جائے اور جماعت یا تنظیم کا ڈھانچہ تو جمہوری رکھا جائے لیکن اُس کے پردے میں داعی کی شخصیّت کو اس درجہ مستحکم کر لیا جائے کہ اگر کسی موقع پر نمائشی جمہوریت کے تقاضے کسی ایک جانب کو زور لگائیں بھی تو داعی اپنی شخصیّت کے وزن سے اسے بالکل غیر مؤثر بنا کر رکھ دے۔ اور جو لوگ اس ظاہری جمہوریت پر بھروسہ کر کے شامل ہوئے ہوں انہیں عین وقت پر یہ معلوم ہو کہ یہاں تو "جمہوری قبا" میں در اصل "دیو استبداد پائے کوب" تھا اور ایک بلّی تھی جو سال ہا سال تھیلے میں بند رہی اور عین موقع پر کود کر باہر آ گئی۔

جہاں تک خلافتِ راشدہ کا تعلق ہے، تو اگرچہ یہ مسئلہ بھی اپنی جگہ خاصا تحقیق طلب ہے کہ اس میں 'جمہوریت' کی نوعیت، اور اس کا واقعی عمل دخل (SCOPE) کتنا تھا۔ تاہم یہ بالکل واضح ہے کہ کسی احیائی جدّوجہد کے لیے قائم ہونے والے نظم کو اس پر قیاس کرنا تو ہے ہی قیاس مع الفارق!

انبیاء کرامؑ اور حضرات رُسُل کی جماعت میں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت کا آغاز تو چونکہ خالص مشرکانہ ماحول سے ہوا لہذا اس میں احیائی یا تجدیدی سے زیادہ 'انقلابی' رنگ پایا جاتا ہے۔ البتہ حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کا رنگ بہت حدتک اصلاحی، احیائی اور تجدیدی ہے، اور ہمارے نزدیک کسی اصلاحی خدمت یا احیائی جدّوجہد کی رہنمائی کا بہت سا سامان ان کے یہاں موجود ہے۔ اور ان کے منقولہ بالا الفاظ[1] کو تو ہمارا خیال ہے کہ کسی احیائی جدّوجہد کے لیے اٹھنے والی جماعت کے داخلی نظم کے حد درجہ پیچیدہ مسئلے کے ضمن میں کلید باب کی حیثیت حاصل ہے۔

خود اُمّتِ مسلمہ کی تاریخ کے دوران میں جو احیائی کوششیں ہوئیں ان سب کا کم از کم تحریکِ شہیدین کے زمانے تک تو نظم یہی رہا ہے کہ ایک شخص بحیثیت داعی اٹھتا ہے، جو لوگ اس کے گرد جمع ہوتے ہیں وہ آپ سے آپ ایک جماعت بن جاتے ہیں۔ نہ کوئی شرائط رکنیت ہوتی ہیں نہ فارم داخلہ، نہ کہیں 'پانچسالہ' انتخاب کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے نہ ہی 'امیر' اور 'شوریٰ' کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے لیے پیچ در پیچ فارمولے ایجاد کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی 'استعفے' یا 'اِخراج' کیلئے کوئی ضابطہ بنایا جاتا ہے۔ بلکہ ایک شخص اپنے ذاتی احساس فرض کے تحت کام کا آغاز کر دیتا ہے پھر جس جس کو اس کے خیالات سے اتفاق اور اس کی ذات پر اعتماد ہوتا ہے

[1] مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ (سورہ صف)

اس کا ساتھ دیتا رہتا ہے اور جونہی ان دونوں میں سے کوئی بات موجود نہیں رہتی اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنا راستہ لیتا ہے اور خواہ مخواہ "ھَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ"[1] کے قسم کے قضیئے کھڑے کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتا۔
یہ بالکل دوسری بات ہے کہ وہ داعی اگر واقعی مخلص ہے اور خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے اور "وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ اَنْکَاثًا" کا مصداق بننے کا شوقین نہیں تو اس کے لیے لازم ہے کہ جماعت میں شورائیت کا ماحول قائم رکھے۔ تاکہ اطمینان و اعتماد کی فضا برقرار رہے۔

ہم اس بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں ہمارا ذہن بالکل یکسو ہے، ہم نے تو مجوزہ انجمن کیلئے قواعد و ضوابط کا یہ تھوڑا سا کھکھیڑ بھی صرف اس لیے مول لیا ہے کہ ایک تو یہ جماعت نہیں انجمن ہے اور دوسرے اس کی لامحالہ کچھ جائداد بھی ہوگی جس کی تولیت کا معاملہ خالص قانونی ہے، ورنہ اگر خدا نے چاہا اور کسی ہمہ گیر دعوت کے آغاز کی توفیق بارگاہ رب العزت سے ارزانی ہوگئی تو اس کا معاملہ انشاءاللہ ہر قسم کے قاعدوں اور ضابطوں سے بالاتر اور خالصۃً اس نہج پر ہوگا جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

مجوزہ انجمن "تحریک تعلیم و تعلّم قرآن" کے جس چھوٹے سے کام کا جزو ہے اس کی ابتدا بھی اسی فطری نہج پر ہوئی تھی کہ ایک شخص کے دل میں اسکا داعیہ پیدا ہوا اور اسے کامل انشراح حاصل ہو گیا کہ فی الوقت "کرنے کا اصل کام" یہی ہے (کہ جا این جاست!) چنانچہ اس نے تن تنہا سفر کا آغاز کر دیا۔ تاآنکہ اب صورت یہ ہے کہ ایک جانب کچھ نوجوان اپنے اوقات کی متاع عزیز اور صلاحیتوں اور قوتوں کا اثاثہ لیکر یعنی "بِاَنْفُسِهِمْ" نصرت کے لیے حاضر ہو گئے ہیں اور کچھ حضرات روپے پیسے سے یعنی "بِاَمْوَالِهِمْ" شرکت کے خواہاں ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ بین بین ہیں۔ اس فطری صورت حال کو صرف موجود الوقت رجحانات کے دباؤ کے تحت "جمہوری" رنگ دینا نہ صرف یہ کہ ایک خواہ مخواہ کا تکلّف اور تصنّع ہے۔ بلکہ خدشہ یہ ہے کہ اسطرح تمام وقت قواعد و ضوابط کی خانہ پُری۔ اور حدود و اختیارات کی رسّہ کشی کی نذر ہو کے رہ جائیگا اور کام کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ بنابریں ہم نے وہی راستہ اختیار کیا ہے جو مطابق واقعہ بھی ہے اور کام کی مقدار اور رفتار کے اعتبار سے موزوں تر بھی!

ہم یہ اطلاع گزشتہ شمارے میں دے چکے ہیں کہ اب تک بحمد للہ چودہ حضرات انجمن کے مؤسسین کے حلقے میں شرکت کے فیصلے کا اظہار کر چکے ہیں اور ان میں سے گیارہ حضرات کا زر اعانت بھی موصول ہو چکا ہے۔ اور ایک صاحب خیر نے ایک قطعہ زمین بھی جس کی موجودہ مالیت ایک لاکھ روپے سے کسی طرح کم نہیں انجمن کو ہبہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ اب اس اشاعت میں انجمن کا مجوزہ خاکہ اس غرض سے شائع کیا جا رہا ہے کہ اگر کچھ اور حضرات اس کار خیر میں ابتدا ہی سے شرکت کے متمنی ہوں اور حلقۂ مؤسسین میں شامل ہونا چاہیں تو وہ جلد از جلد اپنے فیصلے سے ہمیں مطلع بھی کر دیں اور مبلغ -/۵۰۰۰ (پانچ ہزار روپے) کا چیک یا ڈرافٹ "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے نام

[1] "اختیارات میں کوئی حصہ ہمارا بھی ہے کہ نہیں؟" سورۂ آل عمران

اس کا ساتھ دیتا رہتا ہے اور جونہی ان دونوں میں سے کوئی بات موجود نہیں رہتی اس کا ساتھ چھوڑ کر اپنا راستہ لیتا ہے اور خواہ مخواہ "هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ" [1] کے قسم کے قضیئے کھڑے کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتا۔
یہ بالکل دوسری بات ہے کہ وہ داعی اگر واقعی مخلص ہے اور خود ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے اور "وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا" کا مصداق بننے کا شوقین نہیں تو اس کے لیے لازم ہے کہ جماعت میں شورائیت کا ماحول قائم رکھے۔ تاکہ اطمینان و اعتماد کی فضا برقرار رہے۔

ہم اس بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس معاملے میں ہمارا ذہن بالکل یکسو ہے، ہم نے تو مجوزہ انجمن کیلئے قواعد و ضوابط کا یہ تھوڑا سا کھکھیڑ بھی صرف اس لیے مول لیا ہے کہ ایک تو یہ جماعت نہیں انجمن ہے اور دوسرے اس کی لامحالہ کچھ جائداد بھی ہوگی جس کی تولیت کا معاملہ خالص قانونی ہے، ورنہ اگر خدا نے چاہا اور کسی ہمہ گیر دعوت کے آغاز کی توفیق بارگاہِ رب العزت سے ارزانی ہوگئی تو اُس کا معاملہ انشاء اللہ ہر قسم کے قاعدوں اور ضابطوں سے بالاتر اور خالصۃً اُس نہج پر ہوگا جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

مجوزہ انجمن تحریکِ تعلیم و تعلّم قرآن کے جس چھوٹے سے کام کا جزو ہے اس کی ابتدا بھی اسی فطری نہج پر ہوئی تھی کہ ایک شخص کے دل میں اسکا داعیہ پیدا ہوا اور اسے کامل انشراح حاصل ہو گیا کہ "فی الوقت" کرنے کا اصل کام "یہی ہے (کہ جاایں جااست!) چنانچہ اس نے تن تنہا سفر کا آغاز کر دیا۔ تا آنکہ اب صورت یہ ہے کہ ایک جانب کچھ نوجوان اپنے اوقات کی متاعِ عزیز اور صلاحیتوں اور قوتوں کا اثاثہ لیکر یعنی "بِاَنْفُسِهِمْ" نصرت کے لیے حاضر ہو گئے ہیں اور کچھ حضرات روپے پیسے سے یعنی "بِاَمْوَالِهِمْ" شرکت کے خواہاں ہیں۔ جبکہ کچھ لوگ بین بین ہیں۔ اس فطری صورتِ حال کو صرف موجودالوقت رجحانات کے دباؤ کے تحت "جمہوری" رنگ دینا نہ صرف یہ کہ ایک خواہ مخواہ کا تکلّف اور تصنّع ہے۔ بلکہ خدشہ یہ ہے کہ اسطرح تمام وقت قواعد و ضوابط کی خانہ پُری۔ اور حدود و اختیارات کی رسّہ کشی کی نذر ہو کے رہ جائیگا اور کام کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ بنا بریں ہم نے وہی راستہ اختیار کیا ہے جو مطابقِ واقعہ بھی ہے اور کام کی مقدار اور رفتار کے اعتبار سے موزوں تر بھی!

ہم یہ اطلاع گزشتہ شمارے میں دے چکے ہیں کہ اب تک بحمد للہ چودہ حضرات انجمن کے مؤسسین کے حلقے میں شرکت کے فیصلے کا اظہار کر چکے ہیں اور ان میں سے گیارہ حضرات کا زرِ اعانت بھی موصول ہو چکا ہے۔ اور ایک صاحبِ خیر نے ایک قطعہ زمین بھی جس کی موجودہ مالیت ایک لاکھ روپے سے کسی طرح کم نہیں انجمن کو ہبہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ اب اس اشاعت میں انجمن کا مجوزہ خاکہ اس غرض سے شائع کیا جا رہا ہے کہ اگر کچھ اور حضرات اس کارِ خیر میں ابتدا ہی سے شرکت کے متمنی ہوں اور حلقۂ مؤسسین میں شامل ہونا چاہیں تو وہ جلد از جلد اپنے فیصلے سے ہمیں مطلع بھی کر دیں اور مبلغ -/۵۰۰۰ (پانچ ہزار روپے) کا چیک یا ڈرافٹ "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے نام

[1] "اختیارات میں کوئی حصّہ ہمارا بھی ہے کہ نہیں؟" سورۂ آل عمران

کر اس کرکے ارسال فرما دیں ـــــــ پھر انشاء اللہ العزیز ۱۴ اگست ۷۲ء کو حلقۂ مؤسسین کا ایک اجتماع لاہور میں منعقد کیا جائیگا اور اس میں "قواعد و ضوابط" کو آخری صورت دے کر انجمن کی رجسٹریشن کرا لی جائے گی۔ اس کے بعد ۱۵ دسمبر تک انجمن کے مستقل اور عام ارکان کے حلقے قائم کئے جائیں گے اور انشاء اللہ العزیز آواخر دسمبر میں انجمن کا پہلا اجلاس عام ہو گا جس میں پہلی مجلس منتظمہ کا انتخاب عمل میں آ جائے گا ـــــــ هٰذا ما عندی والعلم عند الله ـــ اور ـــ السعی منّا والاتمام من الله۔

قارئین کو معلوم ہے کہ لاہور سے باہر ہمارے کام کا آغاز اصلاً کراچی سے ہوا ہے، سکھر، رحیم یار خاں، صادق آباد اور پھر ملتان میں تو دراصل اسی سفرِ کراچی کے "ضمن" میں اور اس کے طفیل کچھ کام شروع ہو گیا۔

اس شمارے میں حلقہ کراچی کی ششماہی رپورٹ بھی شائع ہو رہی ہے اور مزید یہ دل خوش کن اطلاع بیشِ خدمت ہے کہ کراچی میں انشاء اللہ العزیز یکم تا دس اگست ۷۲ء ایک دس روزہ تربیتی کیمپ منعقد ہو رہا ہے جس میں ایک تو یہ کوشش کی جائے گی کہ مطالعہ قرآن کا منتخب نصاب پورے کا پورا پڑھا دیا جائے اور دوسرے امید غالب ہے کہ مولانا عبد الغفار حسن، استاذِ حدیث، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جو ان دنوں سالانہ تعطیلات میں پاکستان تشریف فرما ہوں گے مطالعہ حدیث کے ایک منتخب نصاب کا درس دیں گے۔ باہر سے آنے والے حضرات کے قیام کا بندوبست "رابطۃ العلوم الاسلامیہ" عالمگیر روڈ، نزد ایک مینارہ مسجد، شہید ملّت روڈ میں ہو گا۔ اور طعام کا انتظام بھی اجتماعی ہو گا جس کے اخراجات شرکاء پر تقسیم ہو جائیں گے۔ یہ کیمپ انشاء اللہ العزیز کراچی کی حد تک تو تحریکِ تعلیم و تعلّمِ قرآن کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہو گا ہی۔ باہر کے رفقاء سے بھی درخواست ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس میں شرکت فرمائیں۔ خصوصاً جو نوجوان اب اس کام میں لگنے کا فیصلہ کر چکے ہیں ان کے لئے تو اس میں شرکت لابدّ منہا اور ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

بہر حال جو حضرات اس کیمپ میں شریک ہونا چاہیں وہ راقم الحروف کو بھی مطلع فرما دیں اور براہِ راست شیخ سلطان احمد صاحب کو بھی " ادارہ آئی سا کو پاکستان" لارنس روڈ، نزد گاندھی گارڈن، کراچی ۳ کے پتے پر اطلاع دے دیں ــ !!

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ توبہ

(۷)

آگے کا مضمون - آیات ۸۱ - ۸۹

غزوہ تبوک کے موقع پر جو منافقین بہانے بنا کر گھروں میں بیٹھ رہے اور اپنی فریب کاری پر بہت خوش تھے ان کے باب میں یہ آیات عین میدان جنگ میں نازل ہوئیں۔ سیاق و سباق بالکل واضح ہے۔

آیات ۸۱-۸۹

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا
اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا
لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۸۱
فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۸۲
فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ
لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ
بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۸۳ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى
اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸۴ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ
وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا
وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۸۵ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ
اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝٨٦ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا
مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝٨٧ لَٰكِنِ
الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ
وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٨٨ أَعَدَّ اللَّهُ
لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ۝٨٩

ترجمہ

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ اللہ کے رسول سے پیچھے بیٹھ رہنے پر بہت مگن ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ وہ اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انہوں نے کہا کہ اس گرمی میں نہ نکلو، کہہ دو دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے - کاش وہ سمجھتے ہوتے - پس وہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ اپنے کئے کی پاداشں میں - پس اگر اللہ تم کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف پلٹائے اور وہ تم سے جہاد کے لیے نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیو کہ تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکل سکتے اور میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے نہیں لڑ سکتے تم پہلے بیٹھ رہنے پر راضی ہوئے تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھو۔ ۸۲-۸۳

اور نہ تم ان میں سے کسی پر جو مرے کبھی جنازے کی نماز پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا - انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ بدعہدی کے حال میں مرے - اور تم ان کے مال اور اولاد کو کچھ وقعت نہ دو - اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے سبب سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں کفر کے حال میں نکلیں - اور جب کوئی سورہ اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان کا حق ادا کرو اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کے لیے نکلو تو ان میں سے جو مقدرت والے ہیں وہ بھی تمہارے پاس رخصت مانگنے آ کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے ہم بیٹھنے والوں ہی کے ساتھ رہیں گے - انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ پیچھے رہ جانے والیوں کے ساتھی بنیں - اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے تو اب وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں - البتہ رسول اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں انہوں نے اپنے جان و مال سے جہاد کیا اور یہی ہیں جن کے لیے رحمتیں اور برکتیں ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں - ان کے لیے اللہ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے - بڑی کامیابی یہی ہے - ۸۴-۸۹

۱۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

'فرح المخلفون بمقعدھم خلاف رسول اللہ وکرھوا ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ وقالوا لا تنفروا فی الحر، قل نار جھنم اشد حرا، لو کانوا یفقھون - ۸۱

مخلفون 'مخلف' کے معنی ہیں وہ جو پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ 'مخلفون' سے یہاں ان لوگوں کو مراد لیا گیا ہے جو جھوٹے عذرات پیش کر کے تبوک کی مہم میں شریک ہونے سے گریز کر گئے۔ یہاں قرآن نے ان کے لیے 'مخلفون' کا لفظ استعمال کر کے ان کی اصل حیثیت واضح کر دی ہے کہ بظاہر تو وہ اپنے زعم میں رسول سے رخصت حاصل کیے ہوئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ پیچھے چھوڑے اور نظر انداز کیے ہوئے لوگ ہیں۔ ان کے باطن کو بھانپ کر اللہ کے رسول نے، ان کے عذرات لایعنی ہونے کے باوجود صرف اس وجہ سے ان کی رخصت منظور کر لی کہ ایسے بزدل اور مفسد لوگ اپنے گھروں ہی میں بیٹھیں تو خیر ہے۔ جنگ کے لئے نکلیں گے تو معلوم نہیں کیا کیا فساد مچائیں۔

خلاف لفظ 'خلاف' قرآن میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک بے ترتیب کے معنوں میں مثلاً 'او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف' ۳۳- مائدہ (یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ دیئے جائیں) دوسرے بعد اور پیچھے کے معنی میں مثلاً 'اذا لا یلبثون خلافک الا قلیلا' ۷۶- اسراء (تو تیرے پیچھے یہ بھی کچھ زیادہ نہ ٹک سکیں گے) یہاں یہ اسی دوسرے معنی میں ہے۔ یعنی یہ لوگ اس بات پر بہت خوش ہیں کہ اللہ کا رسول تو اپنے مخلص جاں نثاروں کے ساتھ میدان جنگ کے لیے روانہ ہوا اور یہ بہانے بنا کر گھروں میں بیٹھے رہنے میں کامیاب ہوئے حالانکہ یہ کوئی خوشی کی بات نہیں بلکہ سوچیں تو ان کی شامت کی دلیل ہے۔ جو بھیڑ گلے اور چرواہے سے پیچھے رہ جاتی ہے شیطان بھیڑیا بن کر اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔

'وکرھوا ان یجاھدوا' یہ 'فرح' کا ضد ہے۔ یعنی جو بات خوش ہونے کی تھی وہ تو ان کو ناگوار ہوئی اور جو چیز ماتم کرنے کی تھی اس پہ پھولے نہیں سماتے۔

'وقالوا لا تنفروا فی الحر' یعنی صرف اپنے ہی بیٹھ رہنے پہ قانع نہیں ہوئے بلکہ موسم کی شدت کے ڈراوے سنا سنا کر دوسروں کو بھی ورغلانے کی کوشش کی کہ گرمی کا شباب ہے، اس آگ میں اس سفر کے لیے نہ نکلو۔ یہ واضح رہے کہ تبوک کی مہم نہایت گرم موسم میں پیش آئی تھی۔

'قل نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون' یعنی انہیں بتا دو کہ ایسے تن آسانوں

اور عافیت کوشوں کے لیے آگے جہنم کی آگ ہے جس کی گرمی سے اس گرمی کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ یہ گرمی سے بھاگے اور جہنم کی آگ میں کود رہے ہیں۔ کاش یہ اس حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے!

'فلیضحکوا قلیلا و لیبکوا کثیرا جزاء بما کانوا یکسبون' ۸۲

عمل اور جزا دونوں ساتھ

یعنی جب یہ موسم کی گرمی سے بھاگ کر جہنم کی آگ میں کود رہے ہیں تو اپنی اس کرتوت کی پاداش میں حق یہ ہے کہ یہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ لیکن جیسا کہ اوپر والی آیت میں گزرا، یہ فہم و بصیرت سے عاری ہو چکے ہیں اس وجہ سے اپنی اس شامت اور بدبختی پر خوش ہیں گویا انہوں نے کوئی بڑا تیر مارا ہے۔ عام طور پر مفسرین نے یہاں انشاء کو خبر کے معنی میں لیا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ یہاں عمل اور جزا دونوں کو نگاہوں کے سامنے مستحضر کر دیا گیا ہے اس لیے کہ جس کے اندر بصیرت ہو وہ اس دنیا میں اپنے عمل کے آئینے میں اپنی جزا کو بھی دیکھ لیتا ہے اور اس پر اس کا اثر بھی وہی پڑتا ہے جو پڑنا چاہیے۔ البتہ اندھے بہرے لوگ اس سے محروم رہتے ہیں۔

فان رجعک اللہ الی طائفۃ منھم فاستاذنوک للخروج فقل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا انکم رضیتم بالقعود اول مرۃ فاقعدوا مع الخالفین ۔ ۸۳

آیات کا موقع نزول اور ان کے اشارات

'رجع' لازم اور متعدی دونوں آتا ہے۔ اس آیت کے اسلوب بیان سے ایک تو یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہ آیتیں تبوک کے سفر کے دوران ہی میں نازل ہوئی ہیں اس لیے کہ فرمایا ہے کہ اگر تمہیں خدا لوٹائے جو واضح قرینہ اسی بات کا ہے کہ اس سفر سے لوٹائے۔

دوسرا اشارہ یہ نکلتا ہے کہ منافقین کی ان حرکتوں کے سبب سے جو اوپر بیان ہوئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اس درجہ بیزار اور متنفر ہو گئے تھے کہ ان کے منہ دیکھنے کے روادار نہیں رہ گئے تھے۔ حضور کی یہ بیزاری عین اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کے تحت تھی۔ اس وجہ سے ارشاد ہوا کہ ہرچند یہ لوگ اس قابل نہیں رہ گئے ہیں کہ تم ان کی شکل دیکھو لیکن اگر اللہ تقدیر سے ان کی کسی ٹولی سے، اس سفر سے واپسی پر، ملا ہی دے اور یہ اپنی کھسیاہٹ مٹانے اور اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے تم سے کسی آئندہ جنگ میں شرکت کی درخواست کریں تو تم ان کی درخواست سختی سے رد کر دینا۔ یہ گویا اس حکم کا ایک پہلو واضح فرمایا گیا ہے جو اوپر آیت ۷۳ میں ان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کی بابت دیا گیا ہے۔

تیسرا اشارہ اس میں منافقین کے اس گمان کی طرف ہے جو وہ اس موقع پر اپنے دلوں میں رکھتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ اب کے رومیوں کی منظم اور کثیر التعداد فوج سے مقابلہ ہے اس وجہ سے مسلمانوں

کو گھر پلٹنا نصیب نہ ہوگا۔ ان کے اسی گمان کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ اگر ان کے گمان اور ان کی خواہش کے علی الرغم خدا تم کو ان کی طرف پلٹا ہی دے۔ اسی قسم کا گمان منافقین کو حدیبیہ کے موقع پر بھی تھا جس کی طرف سورہ فتح کی آیت ۱۲ میں اشارہ ہے۔ بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمومنون الی اھلیھم ابدا .... الآیہ (بلکہ تم نے گمان کیا کہ رسول اور مسلمانوں کو اپنے اہل وعیال میں پلٹنا نصیب نہ ہوگا)۔

منافقین کی رسوائی

'فقل لن تخرجوا معی ابدا .... الآیہ' یعنی ان کو صاف بتا دینا کہ نہ اب تم کسی سفر میں میرے ساتھی بن سکتے اور نہ میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ کر سکتے۔ تم جس طرح پہلے گھروں میں بیٹھ رہے اسی طرح جاؤ پیچھے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھو۔ یہ گویا سب سے بڑی جماعتی خدمت سے ان کو حکماً روک دینے کی شکل اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی تاکہ یہ رسوائیوں اور اب تک عذرات اور بہانوں کے پردے میں وہ مسلمانوں کے اندر جو گھسے ہوئے تھے یہ قصہ ختم ہو۔ اب تک تو وہ جہاد سے بچنے کے لیے رخصتیں مانگتے تھے اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہوئی کہ اگر یہ جہاد میں شرکت کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت نہ دیجیو۔ اس لیے کہ انہیں تنبیہ، جیسا کہ سورہ فتح آیت ۱۵ سے واضح ہے، بہت پہلے کر دی گئی تھی۔ یہ اسلوب بیان توفیق کی نفی کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور ممانعت کے لیے بھی۔ میرے نزدیک سورہ فتح والی آیت تو نفی توفیق کے مفہوم میں ہے لیکن آیت زیر بحث ممانعت کے سیاق میں ہے۔ والعلم عند اللہ۔

ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا
باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون ۔ ۸۴

منافقین پر آخری ضرب

یہ جماعت سے ان کو کاٹ پھینکنے کی ایک اور سخت تر بلکہ آخری صورت اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی۔ اوپر آیت ۸۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کی ممانعت ہو چکی ہے۔ اب یہ ان کے جنازے کی نماز پڑھنے اور ان کی قبروں پر دعائے استغفار کے لیے کھڑے ہونے کی بھی ممانعت فرما دی گئی۔ گویا زندگی اور موت دونوں میں ان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا گیا۔ جماعتی زندگی سے آدمی کا آخری رشتہ یہی ہوتا ہے کہ مرنے پر اپنے جماعتی بھائیوں کے ہاتھوں دفن ہونا اور ان کی دعاؤں کا زاد راہ لے کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہوتا ہے۔ اس ممانعت نے پیغمبرؐ اور اہل ایمان کے ساتھ ان کا یہ آخری رشتہ بھی کاٹ دیا۔

'انھم کفروا باللہ ورسولہ' یہ اس ممانعت کی علت بیان ہوئی ہے کہ ان کی موت ایمان پر نہیں بلکہ کفر پر ہوئی۔ 'فسق' یہاں بدعہدی اور غداری کے معنی میں ہے یعنی اگرچہ یہ ایمان کے مدعی اور دکھاوے کے لیے اسلام کے بعض رسوم بھی ادا کرتے رہے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ انہوں نے جو عہد باندھا اس کو یہ توڑ چکے ہیں۔ اس کے شاہد ان کے وہ اعمال ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

'ولا تعجبك اموالهم ... الآية' - اس آیت کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے - ملاحظہ ہو آیت ۵۵ -

'واذا انزلت سورة ان امنوا بالله وجاهدوا مع رسوله استاذنك اولوا الطول منهم وقالوا ذرنا نكن مع القاعدين ۝ رضوا بان يكونوا مع الخوالف وطبع على قلوبهم فهم لا يفقهون - ۸۶-۸۷

لفظ 'سورہ' کا مفہوم

جس طرح لفظ 'کتاب' یا 'قرآن' بعض مقامات میں قرآن کے کسی حکم یا اس کے کسی حصہ کے لیے خود قرآن میں استعمال ہوا ہے اسی طرح لفظ 'سورہ' یہاں اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اس کے کسی حصہ یا ٹکڑے کے لیے استعمال ہوا ہے -

فعل اپنے کامل معنی میں

'ان امنوا بالله وجاهدوا مع رسوله' - فعل 'امنوا' یہاں اپنے حقیق اور کامل معنی میں استعمال ہوا ہے - یعنی اپنے ایمان باللہ کا ثبوت دو جو یہ ہے کہ اللہ کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کے لیے نکلو -

منافقین کی بہانہ بازیاں

'استاذنك اولوا الطول منهم' 'طول' کے معنی قدرت اور غنا کے ہیں - یعنی جب ان سے اللہ کی راہ میں جہاد کا مطالبہ ہوتا ہے تو یہ اپنے دعوائے ایمان میں بالکل بھسڈی ثابت ہوتے ہیں - ان کے غریبوں اور مسکینوں کا تو کیا ذکر، ان میں جو مقدرت اور مال والے ہیں، تندرست جسم بھی رکھتے ہیں اور سامان جنگ فراہم کرنے کا ذریعہ بھی، ان تک کا حال یہ ہے کہ کوئی عذر تراش کر پیغمبرؐ کے پاس رخصت مانگنے آ کھڑے ہوتے ہیں -

ما فی الذہن کی تعبیر قول سے

'وقالوا ذرنا نكن مع القاعدين' میرے نزدیک یہ ان کے ما فی الذہن کو ان کے قول سے تعبیر فرمایا ہے - قرآن میں بعض جگہ یہود کا قول نقل ہوا ہے - 'وقالوا سمعنا وعصينا' ہرچند وہ کہتے تو تھے 'سمعنا واطعنا' لیکن چونکہ ان کے دل کی آواز یہی ہوتی تھی کہ 'سمعنا وعصينا' اور اپنے عمل سے بھی انہوں نے اسی کی گواہی دی اس وجہ سے قرآن نے ان کے دل کی شہادت کو ان کے قول سے تعبیر فرمایا، گویا انہوں نے 'سمعنا واطعنا' نہیں بلکہ 'سمعنا وعصينا' ہی کہا تھا - اسی طرح ان منافقین نے اگرچہ پیش تو کئے عذرات اور کچھ مجبوریاں لیکن ان سب کے باطن میں مضمر تھی محض تن آسانی اور بزدلی - وہ نکلنے والے غازیوں کے ساتھ نہیں بلکہ بیٹھ رہنے والے بزدلوں، ناکاروں، اور معذوروں کے ساتھی بننا چاہتے تھے - ان کے عذرات اور بہانوں کی اسی مضمر حقیقت کو قرآن نے ان کے قول سے تعبیر کر دیا ہے جس میں ایک نہایت لطیف قسم کا طنز پیدا ہو گیا ہے جس کی ایک سے زیادہ نظیریں قرآن

میں موجود ہیں۔ یہی طنز آگے والی آیت میں ذرا تیز ہو گیا ہے۔

'رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون' خوالف عورتوں کو کہتے ہیں اس لیے کہ مرد جنگ و جہاد اور دوسرے مردانہ کاموں کے لیے گھر سے باہر نکلتے ہیں اور یہ بچوں اور گھروں کی دیکھ بھال کے لیے گھروں میں بیٹھتی ہیں۔ فرمایا کہ انہوں نے مرد ہو کر غازیوں کی ہمسفری اور ہم رکابی کی بجائے اپنے لیے یہی پسند کیا کہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھیں۔ ان کی اس ایمانی اور اخلاقی موت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا، نہ اب وہ کوئی صحیح بات سوچتے ہیں، نہ کسی عزم و ہمت کے کام کے لیے ان کے اندر حوصلہ ہی پیدا ہوتا ہے۔

رہو گے عورتوں کے ساتھ

'لکن الرسول والذین امنوا معہ جاھدوا باموالھم وانفسھم واولئک لھم الخیرات واولئک ھم المفلحون ○ اعد اللہ لھم جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ط ذالک الفوز العظیم' ۸۸-۸۹

اب یہ سچے اور پکے اہل ایمان کا کردار اور ان کا انجام بیان ہو رہا ہے اور مقصود اس سے ان مخلصین کی تحسین بھی ہے اور ان منافقین کو غیرت دلانا بھی کہ رسول کے جو سچے ساتھی ہیں وہ جب حکم جہاد ہوتا ہے تو ان منافقین کی طرح رخصت کی عرضیاں لے کر نہیں دوڑتے بلکہ اپنے مال اور سر لے کر رسول کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ اصلاً انہی کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

۱۶- آگے کا مضمون، آیات ۹۰-۹۹

اوپر زیادہ تر بحث شہری منافقین سے تھی جو مدینہ اور اس کے آس پاس آباد تھے۔ آگے ان منافقین کا ذکر آ رہا ہے جو دیہاتوں میں رہائش رکھتے تھے۔ بیماریاں دونوں کی ایک ہی قسم کی ہیں اس وجہ سے حکم بھی دونوں کا ایک ہی بیان ہوا ہے۔ اسی ضمن میں حقیقی معذورین کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے تاکہ بہانہ بازوں اور حقیقی معذوروں کے امتیاز میں کوئی کھپلا پیش نہ آئے۔ منافقین کے باب میں چونکہ یہ فیصلہ کن بحث تھی، اندیشہ تھا کہ کوئی بے گناہ زد میں آ جائے، اس وجہ سے دونوں کے درمیان ایک خط واضح کھینچنا ضروری ہوا۔

آیات ملاحظہ فرمائیے۔

آیات ۹۰-۹۹

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ

اَلِيْمٌ ۝٩٠ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا
يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ
مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٩١ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا
مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا
وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝٩٢
اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ
يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٩٣
يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ
لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ
وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٩٤ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ
لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٩٥ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ
تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝٩٦ اَلْاَعْرَابُ
اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٩٧ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ
يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ
دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٩٨ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ
يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ
وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ
رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٩٩

اور دیہاتیوں میں سے بھی بہانہ باز لوگ آئے کہ انہیں رخصت دی جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولے وہ بیٹھ رہے۔ ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔ ۹۰

کمزوروں، بیماروں اور ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جنہیں خرچ کرنے کی مقدرت نہیں

ہے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں۔ خوب کاروں پر کوئی الزام نہیں ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اور نہ ان لوگوں پر کوئی الزام ہے جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں کہ ان کے لیے کسی سواری کا انتظام کر دو، تم کہتے ہو میرے پاس تمہاری سواری کا کوئی بندوبست نہیں تو وہ اس حال میں واپس ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو رواں ہوتے ہیں کہ افسوس کہ وہ خرچ کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے۔ الزام تو بس ان پر ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ یہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ پس وہ علم سے محروم ہو گئے۔ ۹۱-۹۳

جب تم لوگ ان کی طرف پلٹو گے تو یہ تمہارے سامنے باتیں بنائیں گے۔ کہہ دیجیو کہ باتیں نہ بناؤ ہم تمہاری باتیں باور کرنے والے نہیں۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات سے اچھی طرح باخبر کر دیا ہے۔ اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے، پھر تم غائب و حاضر کے جاننے والے کے آگے پیش کیے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہاری ساری کرتوت سے آگاہ کرے گا۔ یہ لوگ تمہاری واپسی پر تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے چشم پوشی برتو۔ سو تم ان سے اعراض برتو۔ یہ یکسر ناپاک ہیں اور ان کی کرتوت کی پاداش میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ ان بدعہد لوگوں سے راضی ہونے والا نہیں۔ یہ دیہاتی کفر و نفاق میں زیادہ پختہ اور زیادہ لائق ہیں اس بات کے کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کچھ اتارا ہے اس کے حدود سے بے خبر رہیں اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۹۴-۹۷

اور ان دیہاتیوں میں سے وہ بھی ہیں جو راہ خدا میں اپنے خرچ کو ایک تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے لیے گردشوں کے متمنی ہیں۔ بری گردش انہی پر ہے اور اللہ سمیع و علیم ہے۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اور رسول کی دعاؤں کو حصول قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بے شک یہ ان کے لیے واسطۂ قربت ہی ہے۔ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ ۹۷-۹۹

۱۷- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

وجاء المعذرون من الاعراب لیؤذن لهم وقعد الذین کذبوا اللہ ورسوله سیصیب الذین کفروا منهم عذاب الیم ۹۰

معذر ۔ 'معذر' کے معنی ہیں جھوٹا اور بالکل بے سروپا عذرات تراشنے والا بہانہ باز جو ہر ذمہ داری سے بچنے کے لیے کوئی نہ کوئی عذر گھڑ لیتا ہو۔ 'معذر' اور 'معتذر' میں یہ فرق ہے کہ 'معتذر' کا عذر جھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور بعض حالات میں سچا بھی، لیکن 'معذّر' کہتے ہی اس کو ہیں جو نرا بہانہ باز ہو۔

اعراب ۔ 'اعراب' 'اعرابی' کی جمع ہے۔ 'اعراب' سکان البادیۃ یعنی بدوی اور دیہاتی عربوں کو کہتے ہیں۔ یہاں یہ اطراف مدینہ اور صحرائی علاقوں کے ان بادیہ نشینوں کے لیے استعمال ہوا ہے جن کی اکثریت نے اگرچہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مرعوب ہو کر اس کی سیاسی سیادت تسلیم کر لی تھی لیکن اسلام ان کے اندر رچا بسا نہیں تھا۔ اوّل تو یہ لوگ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اسلام کی طرف اس کی روحانی جاذبیت سے زیادہ اس کی ابھرتی ہوئی طاقت سے متاثر ہو کر آئے تھے، ثانیاً مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت کا کماحقہ، انتظام نہ تو ممکن ہی تھا اور نہ یہ اپنی کھیتی باڑی اور مال مویشی کے دھندوں سے کچھ وقت اس مقصد کے لیے نکالنے پر آمادہ ہی ہوتے تھے کہ مرکز میں آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی بابرکت صحبت سے فائدہ اٹھائیں۔ ان میں جو لوگ اپنے اندر صلاحیت رکھتے تھے وہ اگر چاہتے تو بجائے خود بھی اپنی اصلاح و تربیت کی کوشش کرتے اور وقتاً فوقتاً مدینہ آ کر نبیؐ اور صحابہؓ کی صحبت سے بھی فائدہ اٹھاتے لیکن اکثریت ایسے ہی لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام کا نام تو لیتے تھے لیکن اسلام کی حدود و قیود سے بالکل بے خبر، اجڈ اور گنوار تھے۔ یہی لوگ بعد میں اس فتنۂ ارتداد کی آگ کا ایندھن بنے جس کو بجھانے کے لیے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو سر دھڑ کی بازی لگا دینی پڑی۔

بہانہ سازوں اور جھوٹوں کا ۔ 'وقعد الذین کذبوا اللہ ورسوله' یعنی ان کے اندر کے کچھ بہانہ باز آئے تو عذر پیش کرنے اور رخصت مانگنے کے لیے آئے اور کچھ جو اللہ اور رسول سے سمع و طاعت کا عہد کرنے میں بالکل ہی جھوٹے تھے انہوں نے کوئی جھوٹا سچا عذر پیش کرنے کی بھی زحمت نہیں اٹھائی بلکہ دعوت جہاد کی پروا کیے بغیر یوں ہی بیٹھ رہے۔

'سیصیب الذین کفروا منهم عذاب الیم' 'منهم' یعنی من الاعراب'۔ چونکہ

بعض بادیہ نشینوں اور واقعی معذوروں میں فرق

ان اعراب میں، جیسا کہ آگے تصریح آئے گی، ایک گروہ مومنین و مخلصین کا بھی تھا جو سچے دل سے اسلام لائے تھے اور دین کے لیے ہر موقع پر، ایثار و قربانی میں پیش پیش تھے، اس وجہ سے فرمایا کہ ان اعراب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے یعنی اظہار اسلام کے باوجود اس کے واجبات و فرائض سے گھبرائے بہانے بنا کر یا ان کو دیدہ دلیری سے نظر انداز کر کے گھروں میں بیٹھ رہے ہیں، ان کو ایک دردناک عذاب پکڑے گا۔ صرف وہ لوگ اس سے مستثنیٰ رہیں گے جو اللہ اور رسول سے کیے ہوئے عہد پر قائم رہے ہیں یا وہ واقعی معذور و مجبور تھے۔

'لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ ط ما علی المحسنین من سبیل ط واللہ غفور رحیم ۝ ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون ۝ انما السبیل علی الذین یستاذنونک وھم اغنیاء ج رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع اللہ علی قلوبھم فھم لا یعلمون ۝' ۹۱-۹۳

اب یہ 'معذرین' اور حقیقی معذورین کے درمیان فرق واضح کر دیا گیا ہے تاکہ نہ تو ہر بہانہ باز اپنے کو معذور ٹھہرا سکے نہ کسی واقعی معذور پر نفاق کی تہمت عائد کی جا سکے۔

حقیقی معذوران

'لیس علی الضعفاء' ..... الایۃ، یعنی کمزور، مریض، اور تنگ حال جو اپنے لیے زادِ راہ اور سواری کا انتظام نہیں کر سکتے وہ حقیقی معذورین میں ہیں۔ یہ جہاد میں شامل نہ ہو سکیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ یہ اللہ کے دین اور اس کے رسول کے خیر خواہ رہیں۔ یہ قید نہایت اہم ہے اس لیے کہ بہت سے مریض اور غریب ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو گھر بیٹھے بیٹھے اپنی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردازیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔ اس قسم کے لوگ گناہ سے بری نہیں ہوں گے۔ گناہ سے بری صرف وہی ہوں گے جو اپنی کمزوری، بیماری یا غربت کے سبب سے اگر میدان جنگ میں نہ پہنچ سکیں تو جہاں ہیں وہیں اپنے امکان کے حد تک اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کریں اور اگر کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے اپنے بستروں پر اور گھروں میں صدق دل سے اسلام اور مسلمانوں کی فتح مندی کی دعائیں اور اپنی محرومی پر غم کریں کہ افسوس ہے کہ وہ جہاد کے اہل نہیں رہے۔ فرمایا کہ جو لوگ ایسے ہوں گے وہی محسن، یعنی خوب کار ٹھہریں گے اور ایسے خوب کاروں پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

معذوری کی ایک اور صورت جس پر بنی علیہ مہرہت

'ولا علی الذین اذا ما اتوک ..... الآیۃ'۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں ہے جو جہاد کے لیے تو بے قرار ہیں لیکن اپنی ناداری کے سبب سے کسی سواری کا بندوبست خود کرسکنے پر قادر نہیں

ہیں اور جب وہ تمہارے پاس کسی سواری کے لیے درخواست لے کر آتے ہیں تو تم بھی معذرت کر دیتے ہو کہ ان کے لیے کسی سواری کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ اس حالت میں تمہارے پاس سے لوٹتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوتی ہیں کہ افسوس وہ اس قابل نہیں کہ اپنے خرچ سے شرکت جہاد کا بندوبست کر سکیں۔

اگرچہ اس طرح کے لوگوں کا حکم اوپر والی آیت میں بھی موجود تھا لیکن ان کا ذکر خاص طور پر یہ ظاہر کرنے کے لیے فرمایا کہ جن لوگوں کے پیچھے رہنے کا باعث صرف غربت و ناداری ہو، ایمان کی کمزوری نہ ہو، ان کی صداقت کا شاہد ان کا وہ جذبہ ہوتا ہے جو ایسے موقعوں پر ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایسے مواقع پر یہ خیال کر کے مطمئن ہو بیٹھتے ہیں کہ ہم تو نادار ہیں، ہمارے پاس نہ ہتھیار، نہ سواری، نہ زادِ راہ، ہمیں تو جنگ و جہاد کی ذمہ داری سے اللہ ہی نے فارغ کر رکھا ہے، دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو آسانی سے اس سعادت سے محروم رہنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ جہاں سے بھی امید ہوتی ہے کہ ان کے لیے بھی کچھ بندوبست ہو جائے گا وہ اس کے لیے کوشش کرتے ہیں اور اگر ان کو اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو ان کے دل اپنی محرومی پر تڑپ اٹھتے ہیں اور ان کی اس تڑپ اور بے قراری کی گواہ ان کی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں ہوتی ہیں ۔۔ گویا غریبوں کے لیے بھی ان کی ناداری اسی صورت میں سچا عذر ہے جب ان کا ہر عمل ان کے جوش و جذبے کا شاہد ہو۔

انما السبیل علی الذین یستاذنونک: اصل معذرین یہ ہیں جو مال رکھتے ہیں، اسباب رکھتے ہیں، اسلحہ رکھتے ہیں، سواری رکھتے ہیں لیکن جب جہاد کا موقع آتا ہے تو رخصت کے طلبگار بن کر آن کھڑے ہوتے ہیں جن کی بے حمیتی و بے غیرتی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھے رہنے پر راضی ہیں۔ ان کی اسی اخلاقی و ایمانی موت کے سبب سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور اب ان کا حال یہ ہے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے کہ وہ کس انجام کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔

يعتذرون اليكم اذا رجعتم اليهم قل لا تعتذروا لن نؤمن لكم قد نبانا الله من اخباركم وسيرى الله عملكم ورسوله ثم تردون الى عالم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون ۹۴

اعتذار یہاں باتیں بنانے اور جھوٹے عذرات تراشنے کے معنی میں ہے۔ یعنی جب تم اس سفر سے (اشارہ سفر تبوک کی طرف ہے) پلٹو گے تو یہ منافقین اپنے رویہ کے باب میں تم کو (خطاب مسلمانوں سے ہے) مطمئن کرنے کے لیے اپنے گھڑے ہوئے عذرات کی داستان سنائیں گے۔

قل لا تعتذروا لن نؤمن لكم قد نبانا الله من اخباركم، قل یہاں واحد ہے درآنحالیکہ اوپر والے ٹکڑے میں خطاب جمع سے ہے اور بعد میں لن نؤمن لكم اور نبانا الله

جمع ہی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سب مسلمانوں کی طرف سے منافقین کو جواب دلوا دیا گیا ہے۔ گویا پیغمبرؐ کی زبان تمام مومنین مخلصین کے دلوں کی ترجمان ہے پیغمبرؐ اور امّت کے درمیان جو اعتماد، جو حسن ظن اور جو کامل ہم آہنگی تھی یہ اسلوب اس کو بھی نہایت لطیف طریقہ سے ظاہر کر رہا ہے اور اس میں منافقین پر تعریض کا جو پہلو ہے وہ بھی نمایاں ہو رہا ہے۔

' لن نؤمن لکم قد نبأنا اللہ من اخبارکم ' یعنی چونکہ خود اللہ تعالےٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے باخبر کر دیا ہے اس وجہ سے اب ہم تمہارے ان لاطائل عذرات کو باور کرنے والے نہیں ہیں۔ ہمارے سامنے باتیں بنانے کی کوشش نہ کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان منافقین کے تمام عذرات جو ناقابلِ قبول ٹھہرے اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کا پردہ خود اللہ تعالےٰ نے اٹھا دیا تھا جو تمام غائب و حاضر کا جاننے والا ہے۔ رسول کے سوا چونکہ دوسروں کا یہ درجہ نہیں ہے کہ وہ کسی کے باب میں اللہ کے بتائے ہوئے علم غیب کا دعوےٰ کر سکیں اس وجہ سے وہ اس طرح کے معاملات میں صرف ظاہر حالات اور شرعی دلائل کی بنا پر ہی کوئی حکم لگائیں گے۔ اگر کسی کے عذر، کسی کے دعوے اور کسی کے بیان کی تردید کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے تو وہ بہرحال تسلیم کیا جائے گا، اگرچہ وہ فی الحقیقت بالکل بے سروپا ہو۔ ہم ہر اس شخص کو مسلمان تسلیم کریں گے جو ایمان و اسلام کا دعوےٰ کرتا ہے اگر ہمارے پاس اس کے ایمان و اسلام کے انکار کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے باطن میں کٹر کافر یا منافق ہو۔

' وسیری اللہ عملکم و رسولہ .... الآیۃ ' یعنی عذرات، بہانوں اور جھوٹی قسموں کو سپر بنانے کے بجائے اپنے عمل سے راست بازی اور وفاداری کا ثبوت دو۔ اللہ اور رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے، یہ لاطائل بہانے کام آنے والے نہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایک دن تمہاری پیشی غائب و حاضر اور ظاہر و باطن سب کے جاننے والے کے آگے ہونے والی ہے۔ وہ تمہارا سارا کیا دھرا تمہارے سامنے رکھ دے گا اور جس عمل کے اندر جتنا اخلاص یا جتنا کھوٹ ہوگا وہ بھی تمہیں دکھا دے گا۔

سیحلفون باللہ لکم اذا انقلبتم الیھم لتعرضوا عنھم فاعرضوا عنھم انھم رجس وماوٰھم جھنم جزاء بما کانوا یکسبون ۹۵

اس آیت میں ایک ہی لفظ ' اعراض ' پہلو بہ پہلو نہایت بلاغت سے دو مختلف بلکہ متضاد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ' اعراض ' کا ایک مفہوم تو کسی سے منہ پھیر لینا ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آپ کسی کے عذر کو قبول کر کے اس سے درگزر کریں اور اس سے راضی ہو جائیں۔ فرمایا کہ تمہاری

واپسی پر یہ قسمیں کھا کھا کے تمہیں راضی اور مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس کو نظر انداز کرو، سو ٹھیک ہے اب ان سے اعراض ہی کرو کیونکہ یہ گندے اور نجس ہیں اور نجاست سے اعراض ہی بہتر ہے۔ اس گندگی کے ڈھیر کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ اپنے اعمال کی پاداش میں اسی کے حوالہ ہوں گے۔

یحلفون لکم لترضوا عنھم فان ترضوا عنھم فان اللہ لا یرضٰی عن القوم الفسقین۔ ۹۶

'لترضوا عنھم' سے اعراض کے اس مفہوم کی وضاحت ہو رہی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا۔ یعنی یہ قسموں کے ذریعہ سے تمہیں (خطاب مسلمانوں سے ہے) خوش کرنا چاہیں گے۔ اگر تم ان سے خوش بھی ہو گئے تو یاد رکھو کہ اللہ ان بدعہدوں سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ تو اسی وقت راضی ہوگا جب یہ اپنی توبہ اور اصلاح اور اپنے اعمال سے اس کو راضی کریں۔

' الاعراب اشد کفرا و نفاقا و اجدر الا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ واللہ علیم حکیم۔ ۹۷

ان کے غضب کا سبب

یہ سبب بیان ہوا ہے اس بات کا کہ کیوں یہ اللہ تعالےٰ کے ایسے غضب کے مستحق قرار پائے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو یہ راضی بھی کر لیں جب بھی اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔ فرمایا کہ یہ ہرگز کسی رعایت و نرمی کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ اپنے کفر و نفاق میں دوسروں کی نسبت سخت تر ہیں۔ نہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین کی صحبت اٹھائی اور نہ کتاب الٰہی کے حدود حرام و حلال سے آگاہ ہونے کی کوئی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفر و نفاق کی بیماری کا حملہ سب سے زیادہ سخت ان پر ہوا۔ اگر انہیں ایمان عزیز ہوتا تو یہ اپنی اصلاح و تربیت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین سے ربط رکھتے اور اپنے ایمان اور علم کو برابر ترقی دیتے رہتے۔ لیکن یہ 'شغلتنا اموالنا واھلونا' کا عذر کر کے ہمیشہ اپنی تربیت کے کام کو ٹالتے رہے۔ آگے اسی سورہ میں ان لوگوں کی دین سے بے رغبتی اور مرکز سے بے تعلقی کا ذکر یوں آیا ہے۔ ما کان المومنون لینفروا کافۃ ؕ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔ ۱۲۲ (سارے مسلمانوں کا علم و تفقہ کے لیے نکلنا تو ممکن نہ تھا لیکن ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت دین کا علم و فہم حاصل کرنے کے لیے اٹھتی تاکہ جب علم حاصل کر کے لوٹتی تو اپنی قوم کو بھی آگاہ کرتی تاکہ دوسرے بھی ڈرنے والے بنتے) مطلب یہ ہے کہ ان کا دیہاتی ہونا ان کے لیے کوئی عذر نہیں ہے۔ اگر یہ دیہاتی ہیں تو انہیں اپنی تعلیم و تربیت کی راہ میں سرگرم ہونا تھا لیکن یہ تو اسلام کا دعویٰ کر کے برابر اپنے کفر و نفاق ہی کی پرورش میں لگے رہے تو یہ

جہل و نفاق ان کے اندر پروان چڑھا وہ اسی کے سزاوار تھے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ اس کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ علم و حکمت پر مبنی ہے۔ وہ دین اور علم دین کسی کے سر نہیں منڈھتا بلکہ ہر ایک کو وہی دیتا ہے جس کا وہ اپنے کو سزاوار ثابت کرتا ہے۔

ومن الاعراب من یتخذ ما ینفق مغرما ویتربص بکم الدوائر
علیھم دائرۃ السوء واللہ سمیع علیم ۔ ۹۸

اعراب کی اسلام دشمنی اور بدخواہی

یعنی اسلام کے ساتھ ان کی بدخواہی کا حال یہ ہے کہ اوّل تو یہ اس کی راہ میں کچھ خرچ کرتے ہی نہیں اور اگر حالات سے مجبور ہو کر کچھ خرچ کرنا ہی پڑ جائے تو یہ اس کو گراں محسوس کرتے ہیں، گویا ان کو جرمانہ بھرنا پڑ رہا ہے۔ ان کی ہر وقت تمنا یہ ہے کہ تم پر کوئی گردش آئے تاکہ کسی طرح تم سے ان کی جان چھوٹے۔ 'علیھم دائرۃ السوء' یعنی یہ تمہارے لئے گردش کا انتظار کر رہے ہیں حالانکہ گردش خود انہی پر ہے اور گردش بھی نہایت بری گردش۔ اللہ سمیع و علیم ہے۔ اس سے کوئی راز اور بھید مخفی نہیں۔ وہ جو کچھ بتا رہا ہے سب سمع و علم پر مبنی ہے اور جو کچھ ان کے ساتھ معاملہ کرے گا وہ بھی سمع و علم پر مبنی ہو گا۔

ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الآخر ویتخذ ما ینفق قربات
عند اللہ وصلوات الرسول الا انھا قربۃ لھم سیدخلھم اللہ فی
رحمتہ ان اللہ غفور رحیم ۔ ۹۹

'قربات' 'قربۃ' کی جمع ہے۔ اس سے مراد برّ و تقویٰ اور احسان و انفاق کے وہ کام ہیں جو خدا کے تقرب کا وسیلہ و ذریعہ بنتے ہیں۔

اعراب میں مخلصین اور راستباز

اعراب میں جو مخلص اور راستباز مسلمان تھے یہ ان کا بیان ہے۔ فرمایا کہ ان اعراب میں سچے اور پکے مسلمان بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر مضبوط ایمان رکھتے ہیں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو یہ منافقین کی طرح جرمانہ نہیں سمجھتے بلکہ اپنے انفاق کو اور رسول کی دعاؤں کو خدا کے تقرب کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اوپر آیت ۸۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے لیے استغفار سے اور آیت ۸۴ میں ان کی نماز جنازہ سے روک دیا گیا ہے۔ لیکن مخلصین کو یہ دونوں چیزیں حاصل تھیں۔ اس لیے فرمایا کہ وہ اپنے انفاق اور رسول کی دعاؤں کو تقرب الٰہی کا ذریعہ بناتے ہیں جب کہ منافقین ان دونوں ہی چیزوں سے محروم ہیں۔ 'الا انھا قربۃ لھم' میں ضمیر مؤنث ہر چند واحد ہے لیکن یہ سابق الذکر دونوں ہی چیزوں کی طرف لوٹے گی۔ اس اسلوب کی وضاحت دوسرے مقام میں تفصیل سے ہم کر چکے ہیں۔

عام طور پر مفسرین نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ 'وہ اپنے انفاق کو نبی کی دعاؤں کے حصول کا

ذریعہ بناتے ہیں، لیکن مجھے اس مطلب کے قبول کرنے میں تردد ہے۔ یہ مطلب لینے کے لیے کلام میں ایسے محذوفات ماننے پڑیں گے جن کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ مولانا فراہیؒ کی تاویل بھی یہی ہے جو میں نے اختیار کی ہے یہ مجھے زبان اور نظم کلام دونوں پہلوؤں سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

۱۸۔ آگے کا مضمون، آیات ۱۰۰-۱۱۲

آگے کی آیات میں پہلے ان لوگوں کی تحسین فرمائی ہے جو اسلام کی طرف سب سے پہلے سبقت کرنے والے بنے یا جنہوں نے کمال اخلاص کے ساتھ ان کے نقش قدم کی پیروی کی۔ اسلامی معاشرہ کے اصل اجزائے ترکیبی یہی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی اور فوز عظیم کی بشارت دی۔

پھر مدینہ اور دیہاتی علاقوں کے منافقین کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کو دنیا، برزخ اور آخرت تینوں ہی میں عذاب عظیم کی دھمکی دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ ان کو اسلام اور اسلامی معاشرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کو اس عظیم سورہ نے جھنجھوڑ کر اپنے گناہوں کے اعتراف اور توبہ و استغفار کے لیے بےچین کر دیا تھا۔ ان کو قبولیت توبہ کی نوید سنائی گئی اور ان کی اصلاح و تربیت کے باب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض ہدایات دی گئیں۔ نیز بعض لوگوں کے بارے میں یہ ہدایت ہوئی کہ ان کی قبولیت توبہ کا معاملہ آئندہ پر ملتوی کیا جاتا ہے، وہ فیصلۂ الٰہی کا انتظار کریں۔

اس کے بعد مسجد ضرار اور اس کے بانیوں کے معاملہ کو لیا ہے اور ان کے باب میں اپنے فیصلہ کا اعلان فرمایا ہے۔

آگے مسلمانوں اور اللہ کے مابین جو عہد و پیمان ہے اس کا حوالہ دیا ہے اور اس عہد و پیمان کے بموجب مسلمانوں کو جن اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے اس کی وضاحت فرمائی ہے تاکہ مسلم معاشرہ ہر قسم کے غیر مطلوب عناصر سے پاک صاف ہو کر اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہو جائے ——— اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ　آیات ۱۰۰-۱۱۲
بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝
وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۭ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ
مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝۱۰۱ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا
بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ
عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰۲ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ
لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰۳ اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ
التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ۝۱۰۴ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۵
وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰۶ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا
وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ
اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ
فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۹
لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ
قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۱۰ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ
وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ
بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۱۱ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ
السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۲

اور مہاجرین و انصار میں سے جو سب سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں اور پھر جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی ہے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ اور اس نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور بڑی کامیابی یہی ہے۔ ۱۰۰

اور تمہارے ارد گرد جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور مدینہ والوں میں بھی منافق ہیں۔ یہ اپنے نفاق میں منجھ گئے ہیں۔ تم ان کو نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں۔ ہم ان کو دو بارہ سزا دیں گے۔ پھر وہ ایک عذاب عظیم کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ ۱۰۱

اور کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ انہوں نے کچھ نیکیاں اور کچھ بدیاں ساتھ ہی دونوں کمائی ہیں۔ امید ہے کہ اللہ ان پر رحمت کی نظر کرے۔ اللہ غفور رحیم ہے۔ تم ان کے مالوں کا صدقہ قبول کر لو اس سے تم ان کو پاکیزہ بناؤ گے اور ان کا تزکیہ کرو گے اور ان کے لیے دعا کرو۔ بے شک تمہاری دعا ان کے لئے سرمایۂ تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور صدقات کی پذیرائی فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ان سے کہہ دو، عمل کرو، اب اللہ اور اس کا رسولؐ اور اہل ایمان تمہارے عمل کو دیکھیں گے اور تم عنقریب غائب و حاضر کے جاننے والے کے حضور پیش کئے جاؤ گے۔ وہ تمہارے سارے کئے دھرے سے تم کو آگاہ کرے گا۔ ۱۰۵-۱۰۲

اور کچھ دوسرے بھی ہیں جن کا معاملہ اللہ کے فیصلہ تک ملتوی کیا جاتا ہے۔ یا تو ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۱۰۶

اور جنہوں نے ایک مسجد بنائی ہے اسلام کو نقصان پہنچانے، کفر کو تقویت دینے، اہل ایمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان لوگوں کے واسطے ایک اڈا فراہم کرنے کی غرض سے جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے پہلے جنگ کر چکے ہیں اور یہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے یہ کام صرف بھلائی کی غرض سے کیا ہے اور اللہ شاہد ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ تم اس میں کبھی کھڑے ہو۔ جو۔ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اوّل سے تقویٰ پر پڑی ہے وہ حق دار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو عزیز رکھتے ہیں اور اللہ پاکیزگی کو عزیز

رکھنے والوں ہی کو عزیز رکھتا ہے۔ کیا وہ بہتر ہے جس نے اپنی تعمیر کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور اس کی خوشنودی پر رکھی یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک کھوکھلی گرتی ہوئی گگر پر اٹھائی پس وہ اس کے سمیت دوزخ میں بیٹھ گئی؟ اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔ اور یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ان کے دلوں میں شک کی بنیاد بن کر جمی رہے گی الا آنکہ ان کے دل ہی پاش پاش ہو جائیں اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ ۱۰۷ - ۱۱۰

بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کے جان مال ان کے لیے جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ یہ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ سو تم اس سودے پر جو تم نے اس کے ساتھ کیا ہے خوشی مناؤ۔ اور یہی در اصل بڑی کامیابی ہے۔ توبہ کرتے رہنے والے، عبادت گزار، شکر گزار، ریاضت کرنے والے، رکوع سجدہ کرتے رہنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کے حدود کی نگہداشت رکھنے والے اصلی مومن ہیں اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو۔ ۱۱۱-۱۱۲

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝

مبادئ تدبر قرآن

از: مولانا امین احسن اصلاحی

عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں

بڑا سائز یعنی ۲۲×۱۸/۸ کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل • مضبوط جلد اور دبیز آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ۔

بقول مصنف: "... میں ہر اس شخص کو جو ہمارے طریقہ پر قرآن پر غور کرنا چاہتا ہو، یہ مشورہ دوں گا کہ وہ اس کتاب کو نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار غور سے پڑھ لے، اسی سے تدبر قرآن کے ان اصولوں کی رہنمائی ہو گی جو میں نے اپنے استاد سے سیکھے تھے اور جو میں نے اپنی تفسیر میں ملحوظ رکھے ہیں۔ میرے نزدیک یہی اصول ہیں جو ہمارے سلف صالحین میں سے ان لوگوں نے ملحوظ رکھے جن کو علم قرآن میں سے حصہ ملا اور آج بھی وہی لوگ قرآن میں سے کوئی حصہ پائیں گے جو ان اصولوں کو رہنما بنا کر قرآن میں غور کریں گے۔" ————— قیمت -/۹ روپے (محصول ڈاک ایک روپیہ)

دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور

مقالات

قرآن مجید کی اثرانگیزی

(۲)

از : مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ حق بلند کی اور اسلام کی باقاعدہ تبلیغ شروع کی تو کفارِ قریش نے آپؐ اور آپ کے رفقاء کے ساتھ جو ظالمانہ اور وحشیانہ سلوک کیا اس کو دیکھ کر جنگل کے وحوش و بہائم بھی شرما گئے ہوں گے۔ دوستوں اور خیرخواہوں نے بھی سمجھایا کہ خواہ مخواہ اپنی جان جوکھم میں ڈالنے اور خطرات مول لینے سے کیا فائدہ؟ لیکن آپ پر جو حقیقت منکشف ہو چکی تھی اور قرآن کی بتائی ہوئی راہ ہدایت سے دستکش ہو جانا کسی حال میں بھی گوارا نہ تھا۔ کیا یہ قرآن کی اثرانگیزیوں کا کرشمہ نہ تھا کہ ہزاروں مخالفتوں اور شدید ترین مصائب و محن سے گھبرا کر ایک لحظہ کے لیے بھی راہِ حق سے منہ موڑ لینے کا دل میں خیال نہ گزرا۔ غور کیجیے جب ابوطالب جیسا شفیق و غمگسار چچا بھی جوشِ محبت میں سرشار ہو کر نہایت الحاح کے ساتھ دینِ حق کی دعوت و تبلیغ سے منع کرتا ہے تو آپ ان کو اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟ یہی نا کہ چچا محترم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج بھی رکھ دیں تو میں اپنی دعوت و تبلیغ اور فریضۂ حق کی ادائیگی سے دستبردار نہ ہوں گا۔

قریش سخت حیران تھے کہ آخر آپ اس قدر سختیاں کیوں جھیل رہے ہیں کیا ہیں وہ [illegible] اور [illegible]

اور ایسی کیا کشش ہے جس کے لیے ساری اذیتیں اور تکلیفیں گوارا ہیں لیکن دعوت قرآنی سے انحراف گوارا نہیں۔ ظاہر ہے عام انسانی ذہن و طبیعت ایسی سخت جانفشانی و جانبازی اور اتنی غیر معمولی ریاضت و نفس کشی کا سبب و مقصد جاہ و دولت کی طلب، عزت و ریاست کی آرزو، نام و نمود کی خواہش اور شہوت و ہوس رانی کی تکمیل کے علاوہ اور کن چیزوں کو قرار دے سکتی ہے۔ چنانچہ مشرکین مکہ اور کفار قریش نے بھی یہی سمجھا اور عتبہ بن ربیعہ ان کی نمائندگی کرتے ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے "محمدؐ کیا چاہتے ہو؟ مکہ کی ریاست، قریش کی سیادت، کسی بڑے گھرانے کی حسین و جمیل عورت سے شادی، یا مال و دولت کا ذخیرہ تم کو مطلوب ہے؟ ہم لوگ یہ سب کچھ تمہارے لیے مہیا کر سکتے ہیں۔ تم کو اپنا سردار بنانے کے لیے بھی تیار ہیں اور ہم کو یہ بھی منظور ہے کہ سارا ملک تمہارے زیر فرمان ہو جائے۔ لیکن خدا کے لیے اپنی ان باتوں کو ترک کر دو۔" عتبہ کو یقین تھا کہ اس کی درخواست مسترد نہ ہوگی اور قریش میں اس کی مقبولیت و اعزاز کا ایک بڑا میدان ہاتھ آ گیا۔ مگر اس کو کیا معلوم سرور کائناتؐ کی عظمت و شان اس سے کتنی بالا ہے؟ اور اس نے مقام رسالت و منصب نبوت کی کتنی شدید گستاخی کی ہے۔

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

عتبہ کی ترغیبات کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی یہ آیتیں تلاوت کیں۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	تم کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح کا
يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ	ایک آدمی ہوں (البتہ) میری جانب
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْا	اس بات کی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا
اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ	خداوند ایک ہے اس لیے سیدھے
لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا	اسی کی طرف رخ کرو اور اس سے
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ	مغفرت چاہو، اور خرابی ہے مشرکوں
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اِنَّ	کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	کا انکار کرتے ہیں۔ بے شک جو لوگ
الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ	ایمان لائے اور نیک کام کیے ان
غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ	کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا بدلہ ہو
لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ	گا۔ تم کہو کہ کیا تم لوگ اس ذات

الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ
حٰمٓ السجدہ ۵ تا ۹)

کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور تم اس کے سنر کا ء ٹھہراتے ہو وہ تو تمام عالم کا خداوند ہے ۔

عتبہ پر ان آیتوں کا یہ اثر ہوا کہ قریش کو جاکر سمجھانے لگا کہ محمد جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری نہیں ۔ کوئی اور چیز ہے ، میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو ، اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آگئے تو یہ تمہاری عزت ہی کا سامان ہوگا ورنہ عرب خود اس کو تباہ کر دے گا ۔[1]

یہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی عملی زندگی سے قرآن کی اثر انگیزی کا ثبوت ہے کہ ہزاروں مخالفتوں کے باوجود یہ اس کی عجیب تاثیر اور حیرت انگیز کشش تھی کہ آپ اس کی تبلیغ و تلقین ترک کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے ۔ لیکن دوسری جانب قرآن سننے اور اس کے پڑھے جانے سے بھی آپ شدید طور پر متاثر ہوتے تھے صحابہ سے قرآن سنانے کی خواہش کرتے اور جب کوئی سناتا تو لطف ، لذّت اور محویت کی عجیب کیفیّت آپ پر طاری ہو جاتی ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (اور بعض روایتوں کے مطابق عمرو بن مرۃ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مجھ کو قرآن سناؤ ، انہوں نے عرض کیا آپ پر تو قرآن نازل ہوتا ہے ، ہم آپ کے سامنے قرآن مجید کیا پڑھیں ؟ ارشاد ہوا ۔ میں اسے دوسروں سے سننا پسند کرتا ہوں ۔ چنانچہ انہوں نے سورہ نساء کی آیت : ۔

فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا
(نساء ۴۱)

پس اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امّت کے اندر سے ایک شہید لائیں گے اور تم کو ان لوگوں پر شہید بنائیں گے ۔

تلاوت کی تو آپ نے فرمایا رک جاؤ اور اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری تھا ۔[2]

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے بارہ میں کہا ہے : ۔

---

[1] سیرت النبیؐ جلد اوّل صہ ۲۲۲ ۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ صہ ۶۵۹

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ الخ (ابراہیم ۳۶)

خدا وندا، ان بتوں نے اکثر لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، پس جس نے میری متابعت کی وہ مجھ سے ہوگا۔

اور حضرت مسیحؑ کا قول ہے کہ

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ، وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (مائدہ ۱۱۸)

اگر تو اُن کو عذاب دے گا تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر معاف کرے گا تو بیشک تو عزت وحکمت والا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں تلاوت کیں تو آپ پر عجیب تاثر ہوا۔ اور آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ کہنے لگے اور رونے لگے [1]

ان واقعات اور آپ کی عملی زندگی سے یہ بات اچھی طرح عیاں ہوگئی کہ خود رسول کریمؐ پہ قرآن حکیم کا کافی گہرا اثر تھا۔

حاکم کی مستدرک سے علامہ سیوطی حضرت عبداللہ بن عباس کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ولید بن مغیرہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کو قرآن کا کوئی حصہ پڑھ کر سنایا۔ اس سے اس پہ رقت طاری ہوئی مگر جب ابوجہل کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا چچا جان! آپ کی قوم آپ کو مال و دولت کا ذخیرہ دینا چاہتی ہے تاکہ آپ محمدؐ کے پاس جا کر ان کی باتیں نہ سنیں۔ ولید نے کہا قریش کو معلوم نہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں ابوجہل نے کہا تو پھر محمدؐ کے متعلق ایسی باتیں کہئے جن سے قریش کو یقین ہو جائے کہ آپ کو ان سے نفرت و بیزاری ہے۔ ولید نے کہا مجھ سے زیادہ شعر وسخن کا ماہر اور نقاد کون ہو سکتا ہے، مگر خدائے ذوالجلال کی قسم تم لوگ اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں بالکل غلط ہے، اس کے کلام کو شعر وسحر سے کوئی تعلق نہیں، اس میں حلاوت وشیرینی ہے اور وہ مفید وبارآور اور غالب آنے والا ہے، اس پر غالب نہیں ہوا جا سکتا، وہ دوسروں کو پاش پاش کر ڈالے گا، ابوجہل نے کہا آپ کی قوم کبھی ان باتوں کو پسند نہیں کر سکتی اور نہ وہ آپ

---

[1] صحیح مسلم باب بکاء النبیؐ الامتہ

سے خوش ہو سکتی ہے ، ولید نے کہا اچھا مجھے سوچ لینے دو ۔ کرنے کا موقع دو چنانچہ اس نے غور و فکر کے بعد کہا هذا سحر یوثر (یہ ایسا جادو ہے جو پہلے لوگوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے)[1]

قرآن کی اثر انگیزی اور دلکشی کا یہ حال تھا کہ اسے سن کر لوگوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی اور ان کا دل لرز لرز اٹھتا تھا ۔ متعدد لوگ اسی طرح آیات الٰہی سنکر متاثر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا ۔ جبیر بن مطعم بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلعم کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے سنا اور جب آپ نے یہ آیتیں ،

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ، اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ ۔ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۔ (طور ۳۵ تا ۳۷)	کیا وہ لوگ خود بخود بلا کسی چیز کے پیدا ہو گئے ہیں یا وہی پیدا کرنے والے ہیں ، یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (نہیں یہ سب کچھ نہیں) حقیقت یہ ہے کہ وہ یقین نہیں رکھتے ۔ کیا ان کے پاس تیرے خداوند کے خزانے ہیں یا وہی داروغہ ہیں ۔

تلاوت کیں تو میرا دل دھڑکنے لگا ، اور اس کی عجیب کیفیت ہو گئی تھی[2] اور یہی وہ پہلا موقع تھا جب اسلام کی عظمت و تاثیر میرے دل میں راسخ ہو گئی[3]

دعوت نبوی کا پانچواں سال تھا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور مشرکین کی تکلیف ایذا رسانی روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھی ۔ اس لئے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم ملا تاکہ وہاں کے رحمدل اور منصف مزاج عیسائی بادشاہ نجاشی کی سلطنت میں کچھ مسلمان امن و اطمینان کی زندگی گذار سکیں لیکن مشرکین مسلمانوں کے آرام و آسائش کو کب گوارا کر سکتے تھے ۔ انہوں نے اپنا ایک وفد بنایا اور تحائف کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ مسلمانوں کے خلاف اس کو برافروختہ کر دیں اور وہ ان مظلوموں کو ان کے حوالہ کر دے لیکن نجاشی اس کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہوا اور تحقیق کے لیے اس نے مسلمانوں کو طلب کیا ، حضرت جعفر طیار نے جو اس جماعت کے نمائندے تھے ایک پر اثر تقریر کی جس سے نجاشی بہت متاثر ہوا ۔ اس کے بعد اس نے کہا اچھا تمہارے نبی پر جو کلام اترتا ہے ، اس میں سے اگر کوئی حصہ یاد ہو تو ہم کو بھی سناؤ ، حضرت جعفر نے

---

[1] اتقان ج ۲ ص ۱۱۱ [2] صحیح بخاری ج ۲ تفسیر سورہ طور [3] اتقان ج ۲ ص ۱۳۳

سورہ مریم کی کچھ آیتیں سنائیں جن کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اس قدر زار وقطار روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں پھر اس نے کہا کہ یہ اور حضرت مسیحؑ کا دین ایک ہی چراغ کے پر تو ہیں اور کفار سے کہا تم لوگ جاؤ میں انہیں تمہارے حوالہ نہیں کر سکتا۔ ۱؎

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کا قرب وجوار میں چرچا ہوا تو قبیلہ غفار کے حضرت ابوذرؓ نے اپنے بھائی انیسؓ کو مکہ بھیجا تاکہ اس نبی کے متعلق صحیح معلومات حاصل کریں۔ انہوں نے آنحضورؐ کی باتیں سنیں تو اپنے بھائی کو آکر بتایا کہ وہ تو نہایت عمدہ باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور جو کچھ خدا کا کلام سناتا ہے بخدا وہ شعر نہیں، میں خود شاعر ہوں اور میں نے اس کی باتیں شعر کے اوزان پر پرکھیں مگر محمدؐ نہ شاعر ہیں نہ ان کے کلام کو شعر کہا جا سکتا ہے ۲؎

اس کے بعد حضرت ابوذر کا اشتیاق اور بڑھا اور وہ خود مکہ تشریف لے گئے اور وہاں کلام الٰہی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کرکے واپس آئے۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ ازد کے ایک شخص ضمادؓ جو جھاڑ پھونک کرتے تھے مکہ آئے۔ یہاں انہوں نے لوگوں سے سنا کہ محمدؐ دیوانہ ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ اگر میری ان سے ملاقات ہو جائے تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفاء دے دے گا۔ اس لیے وہ آپ سے ملنے آئے اور کہا محمدؐ میں جھاڑ پھونک کا کام کرتا ہوں اور جسے اللہ چاہتا ہے میری بدولت اس کو شفاء ہو جاتی ہے۔ اگر تم چاہو تو میں جھاڑ پھونک کر دوں۔ آپؐ نے ان کے سامنے خدا کی حمد وثنا بیان کی اور پھر کلام مجید کی کچھ آیتیں پڑھیں، ضماد پر ان کا اتنا اثر ہوا کہ وہ کہنے لگے میں نے کاہنوں، ساحروں اور شاعروں کی باتیں سنی ہیں لیکن تمہارے کلام کو ان سے کوئی واسطہ نہیں، اس کا اثر تو سمندروں پر بھی ہو سکتا ہے پھر انہوں نے اسلام لانے کی خواہش ظاہر کی اور مسلمان ہو گئے۔ ۳؎

عبداللہ بن عباسؓ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ رسول کریم صلعم کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے ان کے جانے کے بعد رسول اللہؐ نے عثمان سے فرمایا ابھی تمہاری موجودگی میں حضرت جبرئیلؑ آئے تھے، انہوں نے دریافت کیا کہ جبرئیلؑ نے آپ سے کیا کہا آنحضرتؐ نے سورہ نحل کی یہ آیت پڑھی۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ — بیشک اللہ عدل، احسان اور یتیموں پر خرچ

۱؎ سیرت ابن ہشام برحاشیہ روض الانف ج ۱ ص ۲۱۳، ۲؎ صحیح مسلم باب فضائل ابی ذرؓ ۳؎ صحیح مسلم کتاب الجمعہ

وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ　　کرنے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، منکر
وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ　　اور بغی سے روکتا ہے، تم کو سمجھاتا ہے
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ　　تاکہ یاد رکھو۔

(نحل ۹۰)

عثمان بن مظعون کہتے ہیں یہ سن کر میرے دل میں بڑا اثر ہوا اور قلب میں ایمان راسخ ہوگیا اور میں آنحضرت سے دلی محبت کرنے لگا تھا۔

خالد عدوانی نے سوق ثقیف میں رسول اللہ کو سورۂ طارق پڑھتے سنا تو گو اس وقت اسلام نہیں قبول کیا لیکن کلام الٰہی کی تاثیر دل میں پتھر کی طرح نقش کر گئی اور وہ پوری سورہ ان کو زبانی یاد ہو گئی تھی۔[1]

طفیل بن عمرو دوسی جو اپنے قبیلہ کے سردار اور ایک شریف انسان اور اچھے شاعر تھے خود اپنے اسلام لانے کا حال بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ آیا تو قریش کے کچھ لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، ان لوگوں نے کہا طفیل تم شاعر بھی ہو اور اپنی قوم کے سردار اور مطاع بھی، ہم کو خطرہ ہے کہ اگر تمہاری اس شخص سے ملاقات ہو گئی اور اس کی کوئی بات تم نے سن لی تو وہ جادو کی طرح تمہارے دل پر اثر انداز ہو جائیں گے، اس لیے تم خوب بچے رہنا اور ہوشیار رہو کیونکہ جس طرح ہم سحر میں مبتلا ہیں اسی طرح وہ تم کو اور تمہاری قوم کو بھی مبتلا کر دے گا یہ شخص مرد و زن اور باپ بیٹے اور بھائی بھائی میں جدائی پیدا کر دیتا ہے۔ طفیل کہتے ہیں کہ اسی طرح وہ لوگ برابر اصرار کے ساتھ منع کرتے رہے اور میں نے تہیہ کر لیا کہ مسجد میں کان بند کرکے داخل ہوں گا چنانچہ میں اپنے کانوں میں روئی ٹھونس کر مسجد میں گیا۔ وہاں حضور نماز پڑھتے نظر آئے میں بھی آپ کے قریب کھڑا ہو گیا اللہ کو سنانا منظور تھا آپ نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے میں نے اپنے جی میں کہا یہ آدمی تو بڑا شاندار معلوم ہوتا ہے اور بخدا مجھے اپنے اوپر پورا اعتماد اور اطمینان ہے کہ کسی چیز کا حسن و قبح مجھ سے مخفی نہ رہے گا۔ اس لیے میں نے طے کیا کہ اس کی بات ضرور سن کر رہوں گا اگر درست معلوم ہوئی تو قبول کر لوں گا اور اگر وہ ٹھیک نہ ہو گی تو اس سے اجتناب کروں گا۔ اب میں نے اپنے کانوں کی روئی نکال دی اور آپ کی باتیں توجہ سے سننے لگا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کلام، دلکش انداز اور خوبصورت الفاظ میں نے کبھی نہ سنے تھے۔ اس کے بعد میں آپ کا انتظار کرتا رہا۔ جب آپ اپنے گھر تشریف لے چلے تو میں بھی آپ کے ہمراہ ہو گیا اور گھر پہنچنے کے بعد میں نے عرض کیا آپ کی قوم مجھ سے اس طرح کہہ رہی تھی اور اس نے شدت کے ساتھ آپ کی باتیں سننے سے منع کیا تھا۔

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۴، ص ۳۳۵ [2] ایضاً ج ۴ ص ۳۳۵

لیکن خداوند قدوس کو سنانا مقصود تھا۔ اس کو سننے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آپ جو کچھ فرماتے اور پیش کرتے ہیں وہ بالکل سچ ہے اس لیے آپ میرے سامنے اپنا دین پیش کیجئے چنانچہ آپ نے پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ خدا شاہد ہے کہ اس سے بہتر اور برتر کلام میں نے کبھی نہ سنا تھا اس لیے میں مسلمان ہو گیا اور آپ سے عرض کیا کہ میں اپنے قبیلہ کا سردار ہوں، ان کو بھی اسلام کی دعوت دوں گا۔ [1]

ام المومنین حضرت عائشہ رض بیان کرتی ہیں کہ جو مسلمان حبشہ کی ہجرت کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ ان میں میرے والد حضرت ابوبکر بھی تھے مگر وہ مکہ سے دو یا ایک دن کی مسافت طے کر سکے تھے کہ راہ میں ابن الدغنہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے دریافت کیا ابوبکر کہاں کا قصد ہے؟ جواب دیا ہماری قوم نے ہم کو نکال دیا ہے، طرح طرح کی تکلیفیں دیتی ہے۔ ابن الدغنہ نے کہا آخر تم جیسے آدمی کے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہے تم تو بہت خوب آدمی ہو اور غریبوں اور ضرورت مندوں کے کام آتے ہو، نیک کام کرتے ہو، اس لیے واپس چلو تم میری پناہ میں رہو گے چنانچہ واپس لوٹ آئے اور جب مکہ پہنچے تو ابن الدغنہ نے قریش سے کہا میں نے ابو قحافہ کو پناہ دی ہے اس لئے کوئی انہیں تنگ نہ کرے۔ انہوں نے کہا تم نے ایسے آدمی کو پناہ دی ہے جو ہمیں تکلیفیں دیتا ہے اس شخص نے ایک چھوٹی سی مسجد بنائی ہے اور اس میں جب نماز پڑھتا اور تلاوت قرآن کرتا ہے تو اس پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور وہ رونے لگتا ہے۔ یہ دیکھ کر ہمارے بچے اور عورتیں اکٹھا ہو جاتی اور قرآن سے متاثر ہوتی ہیں [2]

حبش سے تقریباً ۲۰ عیسائی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع پا کر مکہ آئے، انہوں نے آپ کو مسجد میں پایا وہیں آپ کے پاس بیٹھ کر باتیں اور سوالات کئے جب ان کے سوالات ختم ہوئے تو آپ نے انہیں خدا پرستی کی تلقین کی اور قرآن سنایا۔ وہ لوگ قرآن سن کر زار و قطار روئے اور پھر ایمان لائے اور خدا کی پکار پر لبیک کہا۔ [3]

حج کے موقع پر مختلف قبیلوں اور شہروں کے لوگ اکٹھا ہوتے تو آپ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن سناتے، مدینہ منورہ سے لوگ آئے اور جنہوں نے دین حق قبول کیا۔ اور جب کفار قریش کا ظلم و ستم حد سے بڑھا تو آپ اور آپ کے اصحاب کو وہیں بلا لیا اس طرح مدینہ آگے چل کر اسلام اور دعوت رسالت کا اولین مرکز بنا لیکن اوّل اوّل حج کے مواقع پر کچھ لوگ قرآن کی اثر آفرینی

---

[1] استیعاب لابن عبدالبر ج ۱ صـ ۲۱۸، نیز اسد الغابہ اور سیرت ابن ہشام میں بھی یہ واقعہ ملتا ہے۔

[2] سیرت ابن ہشام ج ۱ صـ ۲۳۱ [3] ایضاً صـ ۲۳۹

ہی کی بدولت حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، ابن ہشام کا بیان ہے کہ آپ نے انہیں قرآن سنایا اور خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دی۔ [۱]

سعید بن معاذ اور اسید بن حضیر کے سامنے جب مصعب بن عمیرؓ نے اسلام پیش کیا اور قرآن مجید سنایا تو وہ اس کی حقانیت و تاثیر سے اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ [۲]

ابو عبیدہ بن حارث، ابو سلمہ بن عبد الاسود، ارقم بن ابی الارقم اور عثمان بن مظعون رسول اللہ کے پاس آئے اور آپ نے ان لوگوں کے سامنے اسلام کو پیش کیا اور قرآن پڑھا تو وہ اس سے متاثر ہوئے اور اسلام لائے اور گواہی دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت و بصیرت پر ہیں۔ [۳] متعدد لوگوں نے قرآن کی بلاغت کی داد اور اس کے کمال تاثیر کی شہادتیں دی ہیں۔ مثلاً ولید بن مغیرہ کے سامنے جب آپ نے اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی الخ (نحل ۹۰) پڑھی تو اس نے کہا اس کلام میں اہل ذوق کے لیے بڑی حلاوت اور دلآویزی ہے اور یہ بڑا پُر رونق اور پُر جمال ہے اس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں برگ و بار آور ہیں۔ [۴]

ایک اعرابی نے ایک شخص کو فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ (الآیہ) پڑھتے سنا تو وہ اس کی بلاغت سے اس قدر مرعوب و متاثر ہوا کہ سجدہ میں گر پڑا۔ [۵]

ایک اور اعرابی نے فَلَمَّا اسْتَیْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا (یوسف ۸۰) سُنی تو بول اٹھا کہ اس طرح کا کلام کسی مخلوق کا نہیں ہو سکتا۔ [۶]

یہ تو چند واقعات ہیں، تاریخ اسلام اور خصوصاً دورِ نبوت کے واقعات کی اگر چھان بین کی جائے تو متعدد اشخاص کے اسلام اور اعتقادِ خداوندی کا اوّلین سبب باعث قرآن کی تاثیر و بلاغت ہی نظر آئے گی ہم اس سلسلہ کو خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کے واقعہ اسلام پر ختم کرتے ہیں۔ جو بڑا اہم، پُرسوز اور پُر اثر ہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام و ایمان کا خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انتظار تھا۔ ان کے قبولِ اسلام سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی اور اسلام لانے کے بعد ان کو جس درجہ شدید تعلق اس سے ہو گیا تھا اسی درجہ گہرا تعلق اپنے آبائی دین سے بھی تھا چنانچہ جب اس دین کی ان کو خبر ہوئی تو سخت برہم ہوئے،

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص۲۳۱، [۲] ایضاً ص۲۷۲ - [۳] اسد الغابہ ج ۵ ص۲۱۸، [۴] شرح الشفا ج ۲ ص۵۲۸ - [۵] و [۶] اسد الغابہ ص۵۲۹

یہاں تک کہ رسولِ خدا کی زندگی ہی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دینے کا ارادہ بھی ان کے دل میں آیا۔ مگر مشیّت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا، چنانچہ کلام ربانی کی چند آیتیں کانوں سے ٹکرائیں تو دفعتہً تمام نقشۂ جنگ ہی بدل گیا، محمدؐ کے قتل و ہلاکت کا ناپاک جذبہ ان کی عقیدت و محبت کے پاکیزہ جذبہ میں تبدیل ہو گیا اور وہی تلوار جو محمدؐ کا سر قلم کرنے اٹھی تھی اب ان کے دشمنوں کے قتل کے لیے اٹھ جاتی ہے۔

کتبِ سیر میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق کئی روایتیں ملتی ہیں لیکن قرآن کی اثر انگیزی کی حد تک ان سب کا قدرِ مشترک ایک ہی ہے۔ ہم مولینا شبلی کے قلم سے اس واقعہ کو تمام و کمال نقل کرتے ہیں کیونکہ ؎

داستانِ عہدِ گل را از نظیری باز پرس
عندلیب آشفتہ تر گفت است ازیں افسانہ را

"حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتابِ رسالت طلوع ہوا یعنی رسولؐ مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل نامانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے، سعید کا نکاح حضرت عمر کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں، اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمر ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لبینہ ان کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اتر تا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانیٔ اسلام کا قصہ پاک کر دیں، تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہؐ کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کہا ؏

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ "محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں"۔ انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں، بولے کہ

"نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو" یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا بدن لہو لہان ہو گیا، اس حالت میں ان کی زبان سے نکلا کہ "عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا" ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے اور اس تازہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی اس لیے صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت حمزہؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پُر رعب آواز نے اُن کو کپکپا دیا نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ "ایمان لانے کے لیے" آنحضرتؐ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں" [۱]

قرآن کے حیرت انگیز اثرات سے انسان تو انسان جنات بھی مرعوب و متاثر ہوئے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ "رسول اکرمؐ جب طائف سے مایوس ہو کر مکہ لوٹ رہے تھے تو ایک شب وادی نخلہ میں نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور تلاوت قرآن شروع کی تو جنوں نے اس کو سن کر حیرت انگیز اثر قبول کیا اور بعد میں اپنی قوم کو بھی اس کی دعوت دی، سورۂ احقاف اور سورۂ جن میں اس کی جانب اشارے کئے گئے ہیں۔ سورہ احقاف میں ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ	اور یاد کرو جب ہم نے تمہاری طرف جنوں
الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا	کا ایک گروہ قرآن سننے کے لیے پھیر دیا جب
حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا	وہ وہاں پہنچے تو باہم کر بولے کہ چپ چاپ
قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ	رہو پھر جب ختم ہوا تو وہ اپنی قوم کے
قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا	پاس لوٹے اور تنبیہ کرنے لگے انہوں

[۱] الفاروق ج اول از صفحہ ۳۱ تا ۳۳ بحوالہ انساب الاشراف بلاذری و طبقات ابن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن اثیر۔

كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ
مُسْتَقِيمٍ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا
دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ
لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ
مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ
(احقاف ۲۹ تا ۳۱)

نے کہا اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب
سُنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے
اور جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کے ہو بہو
مطابق ہے اور جو حق اور سیدھا راہ دکھاتی
ہے، اے قوم کے لوگو! اللہ کی طرف بلانے
والے کا جواب دو اور اس پر ایمان لاؤ تو
وہ تمہارے گناہوں کو معاف اور تم کو
دردناک عذاب سے بچائے گا۔

ایک جگہ قرآن مجید نے اپنی عظمت و تاثیر کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ
جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا
مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ
(حشر ۲۱)

"اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیتے تو
وہ اللہ کے ڈر سے جھکا ہوا اور پاش
پاش نظر آتا۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں سے
اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر
کریں۔"

کیا ان تفصیلات کے بعد بھی کسی کو قرآن کی اثر انگیزی اور دلکشی میں کوئی کلام ہو سکتا ہے مگر یہ بات بڑی قابل غور ہے کہ جس قرآن کی تاثیر کا یہ حال تھا کہ دفعتاً دلوں کی دنیا بدل جاتی تھی۔ اور کفر و ضلالت پسند طبیعتیں، ایمان و ہدایت سے سرفراز ہو جاتی تھیں اور جس کے اثرات کی یہ کیفیت ہو کہ پہاڑ بھی سنیں تو پاش پاش ہو جائیں مگر آج وہ ایک ذہن و دماغ کو بھی اپیل نہیں کر رہا ہے، اوروں کا تو ذکر ہی کیا خود مسلمان جو روزانہ اس کی تلاوت کرتے اور نمازوں میں اس کو سنتے ہیں (اور اگر اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی تو یہ اور زیادہ شرمناک بات ہے) لیکن ان کے دلوں میں سوز و گداز اور طبیعتوں میں جوش و ولولہ نہیں پیدا ہوتا اور نہ ان کی ذلتیں اور پستیاں عظمتوں اور رفعتوں میں تبدیل ہوتی ہیں حالانکہ قرآن تو انہیں عزت و عظمت ہی بخشنے، امنگ و حوصلہ دینے اور وادیٔ ظلمات سے نکالنے ہی کے لیے آیا تھا۔

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ
آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ
الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ

وہی اللہ ہے جو اپنے بندہ (محمدؐ) پر روشن
آیتیں اتارتا ہے تاکہ تم کو تاریکیوں سے
نکال کر روشنی میں کر دے اور بلاشبہ اللہ

بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۵ (حدید ۹)		تم پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔
تو کیا خدا کا یہ قانون بدل گیا ہے نہیں وہ تو کہتا ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور اس کی دعوت حق وسعادت اب بھی اپنے اندر پوری کشش اور جاذبیت رکھتی ہے۔ مگر ہمارے دلوں کی سختی وسنگدلی اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ کوئی اثر ہی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید
ہمچناں در عمل معدن و کان ست کہ بود

دعا ہے کہ اللہ تعالے مسلمانوں کو قرآن مجید ٹھیک ٹھیک طور سے پڑھنے اور اس سے خاطرخواہ اخذ و استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، کیونکہ اپنا عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ یہی ان کی اصل متاع اور حقیقی دولت ہے، اس سے تہی دامن ہو کر اگر دنیا جہان کی تمام دولتیں بھی ان کو مل جائیں تو وہ فقیر و گدا ہی رہیں گے۔

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر		اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے		لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

جماعت اسلامی

★ کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
★ آزادی کے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
★ قیام پاکستان کے بعد اس نے کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اور اسکے کیا نتائج برآمد ہوئے؟
● جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعت اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم بی بی ایس، سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبا پاکستان و امیر جماعت اسلامی ساہیوال
ضخامت ۲۳۶ صفحات۔ سائز بڑا۔ طباعت آفسٹ۔ مجلد معہ گرد پوش۔ قیمت ۴ روپے علاوہ محصولڈاک

دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ لاہور ۱

مقالات

افتخار احمد بلخی

ذکرِ الٰہی اور اشغال کی چند حکمتیں

ذکر یاد کرنے اور یاد رکھنے کو کہتے ہیں، یہ لفظ جب بغیر کسی طرف نسبت اور اضافت کے بولا جاتا ہے تو عام طور پر اس سے مراد اللہ کو یاد کرنا اور یاد رکھنا ہوتی ہے، گویا تنہا ذکر کا لفظ استعمال کیا جائے یا ذکرِ الٰہی اور ذکر اللہ کے فقرے استعمال کیے جائیں، دونوں اپنی مراد اور اپنے مفاد کے لحاظ سے ایک ہی ہیں، اور اشغال ان طریقوں اور ان کاموں کو کہتے ہیں جو اللہ کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے لیے کیے جاتے ہیں، مثلاً ان ماثور دعاؤں کو اکثر و بیشتر پڑھتے رہنا جن کی تعلیم قرآن اور حدیث و سنت نے دی ہے، یا وہ اوراد و وظائف جو مختلف اوقات میں پڑھے جاتے ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اشغال کا مقصد اللہ کو یاد کرنا اور اللہ کو یاد رکھنا ہے، اور ان کی حیثیت اس ذریعہ اور وسیلہ کی ہے، جس سے یہ مقصد، یعنی ذکرِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس موقع پر حکمتوں سے متعلق گفتگو کرنے میں بنیادی حیثیت ان حکمتوں کو حاصل ہے، جن کی بنا پر ذکر اللہ کی تعلیم و تاکید کی گئی ہے، رہے اشغال، تو وہ چونکہ طریقہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ان کی اصل حکمت تو محض یہ ہے کہ انسان اللہ کو یاد کرے اور یاد رکھے، اس کے بعد یہ بات ثانوی اور ضمنی حیثیت رکھتی ہے کہ خاص اوقات میں اوراد و وظائف اور ان اوراد و وظائف کے لیے کچھ مخصوص قسم کے الفاظ کے انتخاب اور کچھ خاص قسم کے طریقوں اور کچھ خاص قسم کی نشستوں اور ہیئتوں کے اختیار کرنے میں بجائے خود کیا حکمتیں ہیں۔ لہٰذا یہاں اس ثانوی اور ضمنی حیثیت رکھنے والی شے (اشغال) کی حکمتوں کے بارے میں ہم بالفعل گفتگو نہیں کریں گے، البتہ ایک اہم بات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی کے طریقوں سے متعلق ایک موقع پر قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (۲۳۹)

یعنی، پھر جب تمھیں امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو جو اس نے تمھیں سکھایا ہے، جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔ اس آیت کریمہ کے جملہ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ سے مراد ادائیگی نماز لی جاتی ہے، لیکن نماز کی اصل حقیقت چونکہ ذکر ہی ہے، اس لیے اس سے کم از کم یہ تعلیم تو مستفاد ہی ہوتی ہے کہ بجائے خود ذکرِ الٰہی کے لیے کچھ خود ساختہ قسم کے طریقوں اور اپنے طور پر مقرر کردہ کچھ خاص قسم کی نشستوں اور ہیئتوں کے اہتمام کی قرآن کی نظر میں اگر کوئی گنجائش نہیں تو ناپسندیدہ ضرور ہے؛ اور ذکرِ الٰہی کا پسندیدہ طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم قرآن و سنت میں دی گئی ہے (كَمَا عَلَّمَكُم) اسی طرح ایک جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ (۲/۱۹۸) یعنی، اور اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اللہ نے تم کو ہدایت کی ہے، ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگ گمراہوں میں تھے۔ اس آیت کا تعلق اگرچہ وقوف مزدلفہ سے ہے، لیکن اس سے اس بات پر روشنی بہرحال پڑتی ہے کہ ذکرِ الٰہی کا وہی طریقہ معتبر ہے جو ہدایت الٰہی کی سند رکھتا ہو (كَمَا هَدٰىكُمْ) اور اس سے ہٹ کر اپنے طور پر کوئی اور طریقہ اختیار کرنا روا نہیں کیونکہ ذکرِ الٰہی کے لیے کسی خود ساختہ طریقے پر عمل کرنے کی روش کہیں لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ کے خطرے سے دوچار نہ کر دے۔ یہاں یہ ایک نکتہ قابلِ لحاظ ہے کہ اول الذکر آیت کریمہ میں مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (جس سے تم پہلے ناواقف تھے) کا جملہ ہے اور ثانی الذکر آیت میں وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ (اس سے پہلے تم گمراہوں میں تھے) کا جملہ ہے، اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ادائیگی نماز کا طریقہ سرے سے معلوم نہ تھا، اس لیے مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ارشاد ہوا اور مزدلفہ میں ذکرِ الٰہی کے لیے یا ذکرِ الٰہی کے نام سے کچھ خود ساختہ طریقے اختیار کر لیے گئے تھے، یعنی ہوتا تھا تو ذکرِ الٰہی، مقصود تو تھا ذکرِ الٰہی، مگر طریقے خود ساختہ تھے، اس لیے ارشاد ہوا وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ۔

رہیں ذکرِ الٰہی سے متعلق کچھ حکمتیں، تو ان کے بیان سے پہلے یہ مناسب ہے کہ مختصر طور پر اس کی اہمیت اور اس کے کچھ فضائل پر روشنی ڈال دی جائے، تو اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمارے سامنے قرآن حکیم کی وہ تصریحات آتی ہیں، جن کا تعلق ذکر اللہ کے مطالبے سے ہے، مثلاً سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ، یعنی، ارشاد الٰہی ہے کہ تم مجھے یاد رکھا کرو، میں تمھیں یاد رکھوں گا۔ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا ہے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ یعنی، اپنے رب کو دل ہی دل

یں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرو۔ سورہ احزاب میں ارشاد ہوا ہے کہ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ، یعنی اللہ کو بہت بہت یاد کرو، اور سورۂ آل عمران میں اللہ کے خاص بندوں کے اوصاف میں یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ یعنی، جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔

یہاں ضمناً ایک خاص نکتے کی طرف بھی اشارہ کر دینا شاید مفید ہو وہ یہ کہ سورۂ احزاب والی مذکورہ آیت میں یہ تعلیم و مطالبہ تھا کہ اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو اور یاد رکھو، اس بنا پر ایک مسلمان سے یہی توقع ہوگی کہ وہ اللہ کو بہت زیادہ یاد کرے اور یاد رکھے گا ، لہٰذا یہ بات قرآن کی نظر میں گویا ایک تسلیم شدہ حقیقت قرار پاتی ہے کہ ایک مسلمان کی یہی شان ہوا کرتی ہے کہ وہ ممکن حد تک زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرتا اور یاد رکھتا ہے، اور اسی مسلّمہ حقیقت کی بنا پر سورۂ آل عمران والی مذکورہ آیت میں صحیح معنوں میں ایک مسلمان کی جو متوقع ایک صفت یا شان ہونی چاہیے، اسے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس منافقین کی جو روش ہوتی ہے، اس کا تذکرہ سورۂ نساء میں اس طرح کیا گیا ہے کہ وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا یعنی، یہ منافقین اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو بہت کم۔

قرآن حکیم کے بعد اب ان چند احادیث و روایات اور آثار پر نظر ڈال لینی چاہیے جو ذکر اللہ کی اہمیت اور اس کے فضائل میں منقول ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ایک حدیث قدسی ملاحظہ ہو، جو مستدرک میں ہے۔ یقول اللہ عزوجل انا مع عبدی ما ذکرنی وتحرکت نفسہ بی۔ یعنی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس وقت تک رہتا ہوں، جب تک وہ میرے ذکر میں مشغول رہتا ہے اور جب تک اس کے ہونٹ میری یاد سے متحرک رہتے ہیں۔ طبرانی کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ :-

"جو شخص جنت کے باغ کی عطر بیزیوں اور اس کے پھلوں سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔"

اسی طرح ایک حدیث شاہ ولی اللہؒ نے اپنی حجۃ اللہ البالغہ میں نقل کی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ :-

"جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا ہے، اور اس میں اللہ کی یاد سے غافل رہے، وہ مجلس اس کے حق میں ہلاکت اور خسران ہے، اور جو شخص لیٹا رہے، اور اس حالت میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا، تو یہ لیٹنا اس کے حق میں ہلاکت اور خسران ہے۔"

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بہترین عمل کون سا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ان تموت ولسانك رطب من ذکر الله (طبرانی و بیہقی) یعنی یہ کہ تمھاری موت اس حال میں ہو کہ تم اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہو۔ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ایک روایت ہے کہ:۔

جب کوئی گروہ کسی ایسے اجتماع کا اہتمام کرتا ہے، جس میں اللہ کا ذکر صرف رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر مقصود ہوتا ہے، تو آسمان کا ایک منادی انھیں بشارت دیتا ہے کہ جاؤ، تمھاری لغزشیں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

یہی وجہ ہے، جیسا کہ مذکورہ ایک روایت سے تعلیم ملتی ہے کہ ایسی مجلس اور ایسا اجتماع جو ذکر اللہ سے خالی ہو اور اس کے شرکاء ادھر ادھر کی غیبیں اور محض دنیا کے دھندوں کی باتیں کر کے اٹھ کھڑے ہوں، وہ انھیں ایسے لوگوں کے حق میں ہلاکت و خسران ہے، نہ صرف یہ کہ مذکورہ ایک روایت سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے، بلکہ ایک حدیث میں وضاحت اور تصریح کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

جو لوگ کسی مجلس میں جمع ہوں اور باتیں کر کے یوں ہی اٹھ کھڑے ہوں اور اللہ کا ذکر نہ کریں، تو ان کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی جماعت مردار گدھے کے پاس سے اٹھ کھڑی ہو اور یہ مجلس ان لوگوں کے حق میں حسرت کا موجب ہو گی۔"

اسی لیے وہ مجالس، جو مختلف ضرورتوں سے منعقد ہوتی رہتی ہیں، ان کے اختتام پر ایک خاص دعا کی تلقین کی گئی ہے تاکہ شرکائے مجلس وہ دعا اور استغفار پڑھتے ہوئے مجلس برخاست کریں اور وہ مجلس ذکر اللہ سے خالی نہ رہے۔ ذکر کی اسی اہمیت اور اس کے انہی فضائل کی بنا پر حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول ہے کہ:۔

اہل جنت کو بجز اس کے اور کسی چیز پر افسوس نہ ہوگا کہ کچھ لمحات یوں ہی غفلت کے نذر ہو گئے اور کچھ ساعتیں ایسی بسر ہو گئیں جن میں وہ ذکر اللہ سے محروم رہے۔"

اور حضرت ابوہریرہؓ نے ذکر الٰہی کو ایک موقع پر میراث رسول سے تعبیر کیا تھا، جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ ایک دن اتفاق سے جو بازار میں جانکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خرید و فروخت کرنے والوں کی ریل پیل ہے، اور لوگ بس اسی دھن میں لگے ہوئے ہیں، یہ نقشہ دیکھ کر انھوں نے کہا کہ "لوگو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، تم یہاں کاروبار میں منہمک اور مشغول ہو اور مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، جاؤ اور اپنا حصہ حاصل کرو" یہ سن کر کچھ لوگ مسجد نبوی میں آئے تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں تو کوئی بھی دولت و ثروت کی تقسیم میں مصروف نہیں ہے، البتہ ایک حلقہ

ہے ذکر کرنے والوں کا، جو ذکر اللہ اور تلاوت قرآن میں مصروف ہے۔

اب ہم مختصر طور پر وہ حکمتیں بیان کرنا چاہتے ہیں، جن کی بنا پر ذکر اللہ کا قرآن و حدیث میں اتنی تاکید کے ساتھ مطالبہ کیا گیا ہے اور جن کی بنا پر ذکر الٰہی کی وہ اہمیت اور اس کے وہ فضائل ہیں، جن کا اختصار کے ساتھ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمارے سامنے جو حکمت آتی ہے وہ قرآن حکیم کی اس آیت سے بخوبی سمجھی جا سکتی ہے، جس میں ارشاد ہوا ہے کہ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (۲۰: ۱۴) یعنی ارشاد الٰہی ہے کہ نماز مجھے یاد رکھنے کے لیے قائم کرو۔ یہ آیت جس طرح یہ درس دے رہی ہے کہ ذکر اللہ کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس کی خاطر ایک مستقل عبادت، یعنی نماز، فرض کی حیثیت سے عائد کی گئی اور جسے اسلام کا ایک رکن قرار دیا گیا، اسی طرح اس حکمت کی طرف بھی رہنمائی کر رہی ہے جو ذکر اللہ میں مضمر ہے اور وہ حکمت ہے فحشاء اور منکر سے انسان کا رکا رہنا، کیونکہ نماز کے فائدے سے متعلق، دوسرے لفظوں میں اس کے مشروع ہونے کی حکمت سے متعلق قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ یعنی، نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے روکتی ہے۔ نماز فحشاء اور منکر سے کس طرح روکتی ہے؟ اس کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ چند سطروں میں یہ صورت حال بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ پنج وقتہ نماز کی گردش، وقفہ وقفہ سے انسان کو دربار الٰہی میں لے جاتی ہے، لہٰذا جب انسان کا قدم کسی معصیت کے لیے اٹھتا ہے تو اس کا دل فوراً خبردار کرتا ہے کہ ابھی تجھے اللہ کے دربار میں حاضری دینی ہے، اس معصیت کا ارتکاب کر کے تو کس منہ سے دربار الٰہی میں جائے گا، جب کہ ابھی چند گھنٹے ہی ہوئے ہیں کہ تو اللہ کے حضور توبہ و استغفار کر کے نیک عملی اور احکام الٰہی کی تعمیل کا عہد کر چکا ہے۔ یوں شب و روز کے چکر میں نماز کے جو اوقات آتے رہتے ہیں، وہ انسان کا اس طرح احاطہ کر لیتے ہیں کہ سمجھ بوجھ اور بیدار ذہن کے ساتھ نماز پڑھنے والے کے لیے فحشا اور منکر کی راہ گویا مسدود ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ راہ اس لیے مسدود ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ یاد رہتا ہے، اللہ کے غیر محدود علم اور اللہ کی غیر محدود قدرت کا تصور قائم رہتا ہے، اور جہاں وہ کسی معصیت کی طرف بڑھتے ہیں، فوراً انہیں اللہ کی گرفت کا خیال آ جاتا ہے، فوراً انہیں آخرت میں جواب دہی کا خیال دامن گیر ہو جاتا ہے، اگرچہ جرم و معصیت کے لیے اٹھنے والا قدم خلوت اور جنگل کی تنہائی اور تاریک رات کے سناٹے ہی میں کیوں نہ اٹھ رہا ہو۔

اب پوری آیت پیش نظر رکھیے اور دیکھیے کہ کس طرح ہر لاحقہ اپنے سابقہ سے پیوستہ ہے:۔

اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ	(اے رسول) یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى	اس کی تلاوت کرتے رہو اور نماز قائم رکھو، بلاشبہ
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ	نماز بے حیائی کی باتوں اور ناپسندیدہ کاموں سے
اللّٰهِ اَكْبَرُ (۲۹/۴۵)	روکتی ہے، اور اللہ کی یاد بہت بڑی (نعمت) ہے

تلاوت کتاب بجائے خود ایک ذکر الٰہی ہے، اور اس ذکر الٰہی (تلاوت کتاب) کو گویا ایک ایسے دائرے کی شکل دی گئی جو لیل و نہار کو گھیرے ہوئے ہے، یعنی نماز پنج گانہ فرض کی گئی ہے اور کون نہیں جانتا کہ نماز کا ایک رکن قرأت قرآن ہے، پھر نماز کی یہ ایک حکمت بیان کی گئی ہے کہ یہ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے، اس کے بعد گویا علت اور سبب کے طور پر ارشاد ہوا کہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ دوسرے لفظوں میں یہ کہ انسانیت اور انسانی عظمت و فضیلت اور معاشرے کا خیر و برکت کا گہوارہ بنا رہنا اور جرم و معصیت سے فرد اور معاشرے کا پاک رہنا، سب کچھ ذکر اللہ کے طفیل ہے، تو پھر یہ (ذکر الٰہی) ایک بہت بڑی نعمت خداوندی کیوں نہ ہوگی۔

قرآن مجید میں اس کی بکثرت مثالیں ملیں گی کہ اسم تفضیل کی تمیز محذوف کر دی گئی ہے جو قرینے سے سمجھی جاتی ہے، اس لیے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ میں لفظ اکبر جو اسم تفضیل ہے، ترجمہ میں اس کی تمیز کو ظاہر کرنے کے لیے قوسین میں "نعمت" کا لفظ لکھا گیا ہے، اور اس طرح بھی ترجمہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ضرور بہت بڑا "سہارا" ہے۔ یعنی "اکبر" کی تمیز کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ "سہارا" استعمال کیا جائے۔

پھر ذکر اللہ اس جہت سے بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے کہ اس کی بدولت اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اور اسے بجائے خود ذکر الٰہی کی ایک حکمت کی حیثیت حاصل ہے، اور یہ حکمت قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتی ہے کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی، سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے قلوب اطمینان پاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ذکر الٰہی سے غفلت و اعراض کے نتیجے میں اطمینانِ قلب رخصت ہو جاتا ہے، اور اضطراب و بے چینی اور گھٹن مستقل طور سے قلب پر طاری رہتی ہے، اور پوری زندگی ضیق میں گزرتی ہے۔

یہی نہیں کہ اطمینانِ قلب سے محرومی دنیوی زندگی ہی کو عذاب بنائے رکھتی ہے بلکہ اخروی زندگی کو بھی بھیانک تاریکیوں سے دوچار کر دینے کا سبب بنتی ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ (یعنی، ارشاد الٰہی ہے کہ اور جو میرے ذکر

فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔

(ونصیحت) سے اعراض کرے گا، اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی، اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کرکے اٹھائیں گے۔

اس آیت کریمہ میں جو یہ جملہ ہے کہ وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کرکے اٹھائیں گے) اس کے سبب کے طور پر آگے متصلاً ارشاد الٰہی ہے کہ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا، قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (۲۰/۱۲۴) (یعنی، وہ کہے گا کہ میرے رب! تو نے مجھے اندھا کرکے کیوں اٹھایا، میں تو دیکھتا بھالتا تھا، اللہ فرمائے گا کہ ہاں، اسی طرح ہونا تھا، تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں مگر تو نے ان کو بھلا دیا سو اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے۔

یہاں "معیشۃ" معاش کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ زندگی کے معنی میں ہے (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے) تخت سلطنت پر بیٹھ کر بھی انسان کی زندگی دردناک رہی ہے اور رہتی ہے، فلک بوس عمارتوں اور آراستہ ومزین قصور و ایواں میں رہنے والے بھی زندگی کی "تلخیوں" سے تنگ رہے ہیں اور رہتے ہیں، پھولوں کی سیج بھی کانٹوں کا بستر محسوس ہوتی رہی ہے اور ہوتی ہے۔ چنانچہ اس "مَعِيْشَةً ضَنْكًا" کی حسرتناک داستان تاریخ کے صفحات میں دیکھنے کی ضرورت نہیں، عصر حاضر میں انسان کی چشم بصیرت وعبرت ہی نہیں، بلکہ چشم بصارت بھی دیکھ سکتی ہے کہ آج کیسے کیسے نوع بنوع خوف و حزن کی بے کلی اور بے چینی کے شکنجوں میں گرفتار ہوکر کس کس طرح بیتابانہ انسانیت کراہ رہی ہے، چنانچہ بے شمار شہادتوں میں سے بطور نمونہ پروفیسر ساروکن (SOROKIN) کی یہ فریاد سنیے، جو وہ اپنی کتاب "ہمارے عہد کا بحران" میں اس طرح کر رہے ہیں کہ:۔

"ہماری زندگی کا ہر شعبہ، ہماری تنظیم، ہماری سوسائٹی ایک زبردست بحران سے گزر رہے ہیں، جسم کا کوئی حصہ، قلب ودماغ کا کوئی ریشہ ایسا نہیں، جو صحیح طور پر کام کر رہا ہو، ہمارے سارے بدن میں ناسور ہیں، ہم چھ سو سال گزارنے کے بعد اب زندگی کی آخری سانس لے رہے ہیں۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی بھولی بھٹکی کرنیں اگرچہ دنیا کو منور کر رہی ہیں مگر رات کے تاریک سائے بھی ہر لمحہ بڑھتے جا رہے ہیں، اس شفق میں جب کہ سورج کی بصارت میں کمی واقع ہوگئی ہے، ہمارے لیے اپنے آپ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔"

لقد صدق اللہ تبارک وتعالیٰ — نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ۔

برسبیل تنزل یہ مان بھی لیا جائے کہ "معیشۃ" معاش کے معنی ہی ہے، تو بھی ایسی معاشی فراغت جو حقیقتاً امن و خوش حالی کی ضامن ہو اور سکون و اطمینان اپنے دامن میں رکھتی ہو، ذکر الٰہی ہی کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے۔ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سورۃ الجمعہ) یعنی، اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو، تاکہ فلاح پاؤ۔ یہاں "فضل" سے مراد رزق ہے۔ اور اسے "فضل اللہ" بتلانے والی چیز نہایت حسین طریقے سے بخط نسخ عالی شان بلڈنگوں پر لکھی ہوئی یہ تحریر نہیں ہے کہ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ بلکہ ذکر الٰہی ہے (وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا) اور اسی سے فلاح وابستہ ہے (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)

ایسا کیوں ہے کہ ذکر الٰہی سے روگردانی کے خمیازے میں تنگ اور وبال جان زندگی (معیشۃ ضنکا) سے پالا پڑتا ہے؟ اس کی نشان دہی سورۂ زمر کے تیسرے رکوع میں کی گئی ہے، جہاں ذکر الٰہی سے روگردانی کا وبال قساوت قلبی یا قساوت قلبی کا نتیجہ ذکر الٰہی سے غفلت کو قرار دیا گیا ہے اور نرم دلی اور قلبی گداز کو ذکر الٰہی سے وابستہ کیا گیا ہے، اور قساوت قلبی سے انسان کیسے کیسے اندھے کنوئیں میں جھپڑا تک لگا تا ہے، اس کے لیے بنی اسرائیل کی سرگزشت پیش نظر رکھنی چاہیے۔ اور بنی اسرائیل کے جرائم بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے ایک جگہ ان کے قلوب میں جڑ پکڑنے والی بس کی گانٹھ کی جانب اس طرح اشارہ کیا ہے کہ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ...... الآیۃ، یعنی، پھر تمہارے (بنی اسرائیل کے) قلوب سخت ہو گئے۔ اور اسی لیے سورۂ حدید میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلوں میں بسا کر قلوب کو نرمی اور گداز کا گہوارہ بنانے کا سبق دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ، یعنی، اور وہ (مومن) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر ایک طویل عرصہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

نیز یہ کہ اللہ کی یاد سے جب دل خالی ہوگا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اس خانۂ خالی میں کسی نہ کسی کا تو بسیرا ہوگا ہی، لہٰذا پھر وہ "خانۂ خالی را دیو می گیرد" کا محل ہی بن کر رہے گا، یعنی وہ شیطان کا نشیمن بنے گا، چنانچہ اسے قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے کہ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (۴۳/۳) یعنی، اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جن افراد کا ساتھی شیطان ہوگا تو وہ ان کو نامرادی اور خسران کے سوا اور کیا دے سکتا ہے اور

جب افراد ایسے ہوں گے اور جب معاشرہ نام ہے افراد کے مجموعہ کا تو پھر شیطان کے شکار افراد پر مشتمل معاشرے کا مقدر بحران اور بالآخر ہلاکت و بربادی بن کر رہتا ہے۔

چوتھی حکمت جو ذکر اللہ سے وابستہ ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انسان اپنے مقصد وجود اور اپنے مقصد حیات سے غافل نہیں ہوتا، کیونکہ جو اللہ کو یاد کرتا رہے گا اور اللہ کو یاد رکھے گا اس کے لیے یہ کیسے ممکن ہو گا کہ وہ یہ بھول جائے کہ دنیا میں وہ کیوں بھیجا گیا ہے اور کس مقصد اور کس ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے اسے زندگی اور جسم و روح کی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔

پانچویں حکمت قرآن حکیم کی اس آیت سے بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے، جس میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ یعنی (اللہ فرماتا ہے کہ) تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ ظاہر ہے کہ انسان ہر لمحہ اللہ کے فضل و کرم کا محتاج ہے، اور اللہ کی نظر جس سے پھر جائے اس کے لیے دنیا اور آخرت میں خسران ہی خسران ہے، لہذا اللہ کی رحمت اور اس کی نصرت کے لیے لازمی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی نظروں سے نہ گرائے، اور یہ سعادت اسی وقت حاصل ہو گی جب انسان اللہ کو یاد کرتا رہے اور اسے یاد رکھے۔

ان حکمتوں کے علاوہ ایک اور حکمت کی طرف وہ آیت اشارہ کر رہی ہے، جس میں مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ($\frac{59}{19}$) یعنی، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ نے انھیں ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ انسان کی بدبختی کی آخری سرحد ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو بھول جائے اور انسان اپنی اصلیت اور حقیقت کو فراموش کرنے کے بعد ظاہر ہے کہ وہ فرشتوں کے مرتبہ پر تو اپنے آپ کو فائز کرنے سے رہا اور ادھر وہ اپنا مقام کھو چکا ہے، لہذا لے دے کر صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ حیوانیت کی سطح پر آن گرے، اور یوں اس کی وہ ساری فضیلت و عزت اور اس کا سارا شرف خاک میں مل جاتا ہے، جو انسان بنا کر پیدا کیے جانے میں تھا۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (ہم نے اولادِ آدم کو عزت و فضیلت دی) تو اس عزت و فضیلت پر انسان اسی وقت تک فائز رہ سکتا ہے جب تک وہ اللہ کو یاد کرتا رہے اور اللہ کو یاد رکھے اور جبھی وہ اپنے مقصد وجود و حیات (خلافت ارضی) کو پورا کر سکتا ہے، جس پر عزت و فضیلت کا دارومدار ہے۔ اور ذکر اللہ سے غفلت

اعراض اسے اس عزت و فضیلت اور اس شرف سے محروم کر دیتا ہے جو انسان ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل تھا۔

اس بات کو ایک دوسرے انداز میں بھی سمجھا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ دعوت حق اور قرآن کے پیغام سے روگردانی کرنے والوں کی مثال قرآن حکیم میں اس طرح دی گئی ہے کہ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے) ظاہر ہے کہ ذکر اللہ سے غفلت اور اللہ کو بھلائے رکھنا اور دعوتِ حق کو قبول نہ کرنا، اپنے مآل کے لحاظ سے ایک ہی ہیں، کیونکہ دعوت حق کو قبول نہ کرنے والا اپنے مقصد وجود و حیات سے واقف نہیں ہوتا، اور جانوروں کی طرح بے مقصد زندگی گزارتا ہے۔ اور اگر کوئی مقصد ہوتا ہے تو بس شکمی اور جنسی بھوک کا مٹانا، اور یہ کام چوپائے بھی کرتے ہیں، یوں یہ دونوں گویا ایک ہی تصویر کے دو رخ قرار پاتے ہیں، یہی حال ان لوگوں کا ہو جاتا ہے، جو ذکر اللہ سے غافل رہتے ہیں، جو اللہ کو یاد نہیں رکھتے، جو اللہ کو بھلائے رکھتے ہیں، لہٰذا اپنے مآل کے لحاظ سے ایسے لوگوں پر بھی یہ تمثیل صادق آتی ہے کہ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ۔

لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ

تاکہ حق کو حق ثابت کر دے اور باطل کو باطل (سورہ انفال)

اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

"...... محترم ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کے اس مقالے سے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصور یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے......" مولانا امین احسن اصلاحی

"...... اس موضوع پر میری نظر سے اس سے زیادہ تشفی بخش تحریر اب تک نہیں گزری ...... اسلامی موضوعات پر کام کرنے والوں کے لیے یہ کتابچہ ایک دستور العمل کا درجہ رکھتا ہے......" ڈاکٹر سید عبداللہ، سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

قیمت قسم اعلیٰ ڈیڑھ روپیہ قسم ادنیٰ ایک روپیہ —— محصول ڈاک اس کے علاوہ

شائع کردہ

دار الاشاعت الاسلامیہ کرشن نگر اسلام پورہ لاہور

فون ۶۹۵۲۳

فضیلت ابوبکرؓ و عمرؓ (۲)

اردو ترجمہ

قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین

تالیف

شاہ ولی اللہ دہلویؒ

حضرت حسنؓ بن علیؓ سے روایت ہے کہ وہ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے خطاب فرمایا: اے لوگو میں نے گزشتہ شب خواب میں ایک عجیب بات دیکھی۔ میں نے خدا کو اس کے عرش پر جلوہ گر پایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آ کر عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کے پاس کھڑے ہو گئے پھر ابوبکرؓ آئے اور انھوں نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر رکھ دیا، پھر عمرؓ آئے اور انھوں نے اپنا ہاتھ ابوبکرؓ کے کاندھے پر رکھ دیا۔ پھر عثمانؓ آئے اس حال میں کہ وہ اپنا سر اپنی ہتھیلی پر لیے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے (اے خدا) اپنے بندوں سے پوچھیے کہ انھوں نے مجھے کس جرم میں قتل کیا۔ اس پر آسمان سے زمین کی طرف خون کے دو پرنالے جاری ہو گئے۔" حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ پھر علیؓ سے کہا گیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ حسنؓ کیا بیان کر رہے ہیں؟ علیؓ نے جواب دیا "جو کچھ اس نے دیکھا وہ بیان کر دیا۔" اس روایت کو ابویعلیٰ نے نقل کیا ہے۔

رہا معاملہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارے کا جو دین میں نص کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کا تعلق تنہا ابوبکرؓ کی خلافت سے بھی ہے اور شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) دونوں کی خلافت سے بھی، تو یہ بھی کئی طرق (یعنی سلسلہ ہائے روایت) سے بیان ہوا ہے جو بحیثیت مجموعی اسے معنًا متواتر بنا دیتے ہیں۔

چنانچہ ان میں سے ایک حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ انھوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے عالم میں مجھ سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکرؓ کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک تحریر قلمبند کر دوں اس لیے کہ مجھے خدشہ ہے کہ کوئی صاحب تمنا اظہار تمنا کرے گا اور کوئی کہنے والا کہے گا کہ میں سب سے زیادہ حقدار ہوں (أنا أولى) حالانکہ اللہ اور اہلِ ایمان سوائے ابوبکر کے اور کسی پر راضی نہ ہوں گے۔" متفق علیہ۔

اور انہی میں سے ایک حدیث حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی ہے۔ چنانچہ حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد والوں کی اقتدا کرو اور وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔" اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے نقل کیا ہے —— اور عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اقتدا میرے بعد والوں کی کرو اور وہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں، ہدایتِ عمارؓ اختیار کرو اور ابن مسعودؓ کے عہد (ذمہ، ضمانت، وصیت) سے وابستہ رہو۔" اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے نقل کیا ہے۔

انہی میں سے ایک حضرت انسؓ کی حدیث ہے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے بنو مصطلق نے رسول اللہ کے پاس بھیجا اور کہا ہماری خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ آپؐ کے بعد ہم صدقات (زکوٰۃ، محصولات وغیرہ) کس کے پاس روانہ کریں۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں حضور کے پاس آیا اور دریافت کیا آپ نے فرمایا: ابوبکرؓ کے پاس، چنانچہ میں ان (بنو مصطلق) کے یہاں واپس گیا اور انھیں جا کے بتا دیا، انھوں نے کہا رسولِ خدا کے پاس واپس جاؤ اور دریافت کرو کہ ابوبکرؓ پر کچھ بیت جائے تو پھر کس کے پاس؟ میں آیا اور آپؐ سے عرض کیا، آپ نے فرمایا عمرؓ کے پاس، میں نے جا کر بنو مصطلق سے یہ بات کہہ دی۔ انھوں نے کہا واپس جاؤ اور پوچھو کہ عمرؓ پر کچھ بیت جائے تو پھر کس کے پاس۔ چنانچہ میں آنحضورؐ کے یہاں پہنچا۔ آپ نے فرمایا عثمان کے پاس۔ میں نے جا کے بنو مصطلق کو بتا دیا، انھوں نے کہا واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ اگر عثمان پر کچھ بیت جائے تو پھر کس کے پاس؟ آپ نے فرمایا۔ اگر عثمان پر کچھ بیت گیا تو پھر تو تم ہمیشہ کے لیے ہلاک ہو گئے! اس حدیث کو حاکم نے نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا ہے کہ بنائے مسجد کے لیے پہلا پتھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا تھا۔ پھر ابوبکرؓ نے، پھر عمرؓ نے اور پھر عثمانؓ نے۔ اس پر میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ ان لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ یہ کس طرح آپ کا ہاتھ بٹا رہے ہیں؟" اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ وہی ہیں جو میرے بعد میرے خلیفہ ہوں گے۔" اس حدیث کو حاکم نے نقل کیا ہے۔

اور انہی میں سے وہ احادیث بھی ہیں جن کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ کو نماز کی امامت کے ضمن میں اپنا جانشین قرار دیا تھا اور تصریح فرما دیا تھا کہ ابوبکرؓ کے سوا اور کوئی نماز کی امامت نہ کرے گا، یہ روایت متواتر بیان ہوئی ہے اور اس سے عمرؓ اور علیؓ جیسے فقیہ صحابہؓ نے ابوبکرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کے حق میں استدلال کیا ہے اور چونکہ اس استدلال کے روبرو جملہ صحابہ نے خاموشی اختیار کی اور سر تسلیم خم کر دیا لہذا اس پر جملہ صحابہ کا اجماع ثابت ہے۔

اس مضمون پر حضرت عائشہؓ کی روایت بالیقین دلالت کرتی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز کی امامت کریں" اس پر میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ جب ابوبکرؓ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رقت کے باعث اپنی آواز لوگوں تک نہ پہنچا سکیں گے لہذا آپ عمرؓ کو حکم دیں کہ وہ نماز کی امامت کریں" عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا "ابوبکرؓ کو حکم دیا جائے کہ وہ نماز کی امامت کریں" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حفصہؓ سے کہا کہ تم رسول اللہ سے کہو کہ جب ابوبکرؓ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رقت کے باعث اپنی آواز لوگوں تک نہیں پہنچا سکیں گے۔ لہذا آپ سے عرض کرو کہ وہ عمرؓ کو حکم دیں کہ وہ نماز کی امامت کریں" چنانچہ حضرت حفصہؓ نے اسی طرح کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حق یہ ہے کہ تم سب یوسفؑ کو دیکھنے والیوں کی طرح ہو (مراد ہے غلط بات کی تحسین کرنے والیاں) ابوبکرؓ کو حکم دیا جائے کہ وہ نماز کی امامت کریں" اس پر حفصہؓ نے عائشہؓ سے کہا "مجھے تمہاری طرف سے فیض نہیں پہنچنے کا" اس حدیث کو بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہوں وہاں کسی اور کا امامت کرنا جائز نہیں" اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور بیماری نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے فرمایا کہ "ابوبکرؓ کو حکم دیا جائے کہ وہ نماز کی امامت کریں" اس پر عائشہؓ نے کہا "یا رسول اللہ ابوبکرؓ رقیق القلب آدمی ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ امامت صلوٰۃ کرا نہ سکیں گے" مگر آپ نے فرمایا "تم ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز کی امامت کریں" عائشہؓ نے پھر وہی بات دہرائی، آپ نے پھر فرمایا "تم ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز کی امامت کریں۔ حق یہ ہے کہ تم سب یوسفؑ کو دیکھنے والیوں کی طرح ہو" چنانچہ ابوبکرؓ رسول خدا کے پاس آئے اور انھوں نے نماز پڑھائی۔ درآں حالیکہ حضور ابھی بقید حیات تھے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درد شدت اختیار کر گیا

تو آپؐ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ کون پڑھائے ؟) تو آپ نے فرمایا "ابوبکرؓ کو حکم دیا جائے کہ نماز کی امامت کریں" عائشہؓ نے عرض کیا ابوبکرؓ رقیق القلب آدمی ہیں، جب قرأت کریں گے تو ان پر گریہ غالب آجائے گا" مگر آپؐ نے یہی فرمایا کہ "ان سے کہو نماز پڑھائیں! عائشہؓ نے وہی بات پھر کہی۔ آپ نے پھر فرمایا۔ ابوبکرؓ سے کہا جائے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ تم عورتیں یوسف کو دیکھنے والیوں کی طرح ہو" اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ مسلمان صبح کی نماز ادا کر رہے تھے، دن پیر کا تھا۔ ابوبکرؓ امامت فرما رہے تھے۔ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور نماز پڑھنے والوں کو دیکھا کہ وہ صفیں باندھے ہوئے ہیں تو آپؐ نے مسرت آمیز تبسم فرمایا۔ اس پر ابوبکرؓ پیچھے کو ہٹنے لگے۔ انھیں خیال ہوا کہ رسول اللہ باہر تشریف لا کر نماز (پڑھانے) کا قصد رکھتے ہیں اور مسلمانوں نے بھی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو خوشی سے بے قابو ہو گئے اور اندیشہ ہوا کہ نماز میں خلل واقع ہو جائے گا مگر آپ نے انھیں ہاتھ سے اشارہ کیا کہ نماز کو مکمل کر دو اور پھر آپ حجرے کے اندر چلے گئے اور پردہ کھینچ دیا۔ اسی روز آپ کا وصال ہو گیا۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درد مستقل صورت اختیار کر گیا اور میں بعض دیگر افراد سمیت وہاں موجود تھا۔ بلالؓ نے آ کر آپؐ سے نماز پڑھانے کی التجا کی۔ اس پر آپ نے فرمایا "ابوبکرؓ کو حکم دیا جائے کہ نماز کی امامت کریں" عبداللہ بن زمعہ کہتے ہیں کہ ہم باہر آ گئے اور دیکھا کہ عمرؓ تو لوگوں میں موجود ہیں لیکن ابوبکرؓ موجود نہیں۔ چنانچہ میں نے کہا۔ عمرؓ! اٹھیے اور نماز پڑھائیے۔ عمرؓ آگے بڑھے اور تکبیر کہی۔ مگر جب رسول اللہ نے عمرؓ کی آواز سنی ـــــ اس لیے کہ عمرؓ بلند آواز شخص تھے ـــــ تو آپ نے فرمایا۔ "ابوبکرؓ کہاں ہیں؟ یہ بات نہ تو خدا کا منشا ہے اور نہ مسلمانوں کا۔ یہ بات تو نہ خدا کا منشا ہے اور نہ مسلمانوں کا" چنانچہ ابوبکرؓ کی طرف آدمی بھیجا گیا۔ ابوبکرؓ آ گئے۔ تو اگرچہ اس وقت حضرت عمرؓ وہ نماز پڑھا چکے تھے تاہم حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔ عبداللہ بن زمعہ ایک اور روایت میں اس امر کا اضافہ کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کی آواز سنی تو باہر آ گئے اور حجرے سے سر نکال کر کہا "نہیں، نہیں، نہیں، نماز کی امامت ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) کریں" یہ بات آپ نے غصے کے لہجے میں ارشاد فرمائی۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ابوعمر نے الاستیعاب میں نقل کیا ہے۔

(مسلسل)

مذہب اور سائنس

وحید الدین خاں

برٹرینڈ رسل کے خیالات
ایک تحقیقی تجزیہ

۱۹۶۶ء کی بات ہے میں نے طے کیا کہ میں برٹرینڈ رسل (۱۹۷۰-۱۸۷۲) کو پڑھ ڈالوں۔ خوش قسمتی سے قریب ہی ایک لائبریری میں مجھے رسل کی کتابوں کا پورا سٹ مل گیا۔ مگر جب میں ان کتابوں کو گھر لے کر پہنچا۔ تو میری بیوی ان کو دیکھ کر بہت متوحش ہوئی۔ اب آپ ضرور گمراہ ہو جائیں گے۔ اس نے کہا یہ واقعہ ہے کہ رسل اس دور کا غلیظ ترین ملحد ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تصنیفات کو پڑھنا عام ذوق کے مطابق خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ میں رسل کی دنیا میں داخل ہو کر اس طرح اس سے نکلا کہ میرا ایمان پہلے سے زیادہ پختہ ہو چکا تھا۔

موجودہ زمانہ کے فلسفیوں میں رسل کا مطالعہ سب سے زیادہ وسیع ہے کہا جاتا ہے کہ اس میں اگر کوئی استثناء ممکن ہے تو وہ صرف وائٹ ہڈ کا۔ برٹرینڈ رسل کی زندگی تقریباً ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ اپنے بیان کے مطابق وہ ساری عمر دو چیزوں کی تحقیق میں مصروف رہا۔۔۔۔۔۔۔ ہم کتنی چیزوں کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں اور یہ کہ ہمارے علم کا کتنا حصہ یقینی ہے اور کتنا حصہ مشتبہ ہے (۱۔ صفحہ ۱۱)

اس مقصد کے لئے رسل نے خاص طور پر چار سائنسوں کا مطالعہ کیا۔۔۔۔۔۔۔ فزکس۔ فزیالوجی۔ سائیکالوجی اور میتھمیٹیکل لاجک (۱۔ صفحہ ۱۶)

اس مطالعہ کے بعد سب سے پہلے وہ تشکیک، کے نقطۂ نظر کو رد کر دیتا ہے اس کے الفاظ میں تشکیک نفسیاتی طور پر ناممکن ہے۔

SCEPTICISM is PSYCHOLOGICALLY IMPOSSIBLE (2-P.9)

مگر یہاں انسان دو طرفہ مشکل میں مبتلا ہے ایک طرف یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم اس دنیا میں نہیں رہ سکتے۔ دوسری طرف جب ہم جاننا چاہتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ میں بہت کم کامیابی کے امکانات ہیں فلسفہ قدیم ترین زمانہ سے بڑے بڑے دعوے کرتا رہا ہے مگر اس کا حاصل دوسرے علوم کے مقابلہ میں

بہت کم ہے (۳- صفحہ ۱۳)

چنانچہ رسل خود عمر بھر کی کوشش کے باوجود کوئی منظم فلسفہ نہ بنا سکا پروفیسر اللن وڈ (ALAN-WOOD) کے الفاظ میں برٹرینڈ رسل ایک ایسا فلسفی ہے جس کا اپنا کوئی فلسفہ نہیں۔

BERTRAND RUSSELL IS A PHILOSOPHER WITH OUT A PHILOSOPHY

منطق اور ریاضی کی حقیقت کی دریافت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے مگر رسل کے نزدیک

LOGIC AND MATHEMATICS ARE THE ALPHABET OF THE BOOK OF NATURE, NOT THE BOOK ITSELF

(1, P. 277)

یعنی منطق اور ریاضی کتابِ فطرت کی الف، ب ہیں خود کتابیں نہیں ہیں۔

رسل کے نزدیک علم کی دو قسمیں ہیں چیزوں کا علم (KNOWLEDGE OF THINGS) اور صداقتوں کا علم (KNOWLEDGE OF TRUTHS) (۴- صفحہ ۴۶)

چیزوں کا علم دوسرے الفاظ میں حسی واقعات (SENSIBLE FACTS) کا علم ہے مگر حسی واقعات ہی سب کچھ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے پیچھے کچھ اور صداقتیں بھی چھپی ہوئی ہیں جو کہ بذاتِ خود ہمارے حواس میں نہیں آتیں۔ ان صداقتوں کو معلوم کرنے کا ذریعہ وکا استنباط (INFERENCE) ہے۔ جو حسی واقعات کی بنیاد پر کیا جاتا ہے رسل کے نزدیک استنباط صحیح (VALID) ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کو سائنسی استنباط ——— (SCIENTIFIC INFERENCE) ہونا چاہیئے

(۱، صفحہ ۲۰۷)

وہ تمام چیزیں (THINGS) جن سے ہم استنباط کے بغیر براہ راست واقف ہوتے ہیں۔ ان کو رسل نے اعداد و شمار (DATA) کا نام دیا ہے۔ یہ اعداد و شمار ہمارے تجرباتی حواس ……… (OBSERVED SENSATIONS) پر مشتمل ہیں بصری (VISUAL) سمعی اور (AUDITORY) لمسی (TACTILE) وغیرہ۔ رسل کہتا ہے کہ کائنات کے بارے میں ہمارا جو سائنسی تصور ہے۔ وہ تجرباتی حواس کے ذریعہ معلوم شدہ چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام تر ایک استنباطی دنیا (INFERED WORLD) ہے حتیٰ کہ وہ کہتا ہے۔

PEOPLE,S THOUGHTS ARE IN THEIR HEADS.

(1, P. 25) جلد ۱۹

یعنی لوگوں کے تصورات صرف ان کے دماغوں میں ہیں۔ اس سے باہر ان کا کہیں وجود نہیں ہے۔ رسل اپنے تمام مطالعہ کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ وہ یہ کہ تجربہ (EXPERIENCE) پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور اسلئے تجربیت (EMPIRICISM) کو بحیثیت فلسفہ کچھ اہم محدودیتوں (IMPOR- TANT LIMITATIONS) کا پابند ہونا چاہیئے۔ (۱۹۱)

میں لے پایا کہ تقریباً تمام فلسفیوں نے یہ سمجھنے میں غلطی کی ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو صرف تجربہ سے مستنبط کی جا سکتی ہے اور وہ کیا چیز ہے جو تجربہ سے مستنبط نہیں ہوتی (۱۹۴) وہ لکھتا ہے :-

"بد قسمتی سے نظری طبیعات اب اس شاندار یقین سے نہیں بولتی جس سے وہ سترھویں صدی میں کلام کر رہی تھی۔ نیوٹن کا کام چار بنیادی تصورات پر مشتمل تھا۔ مکاں، زماں، مادہ اور طاقت۔ یہ چاروں کے چاروں جدید طبیعات میں طاق نسیاں کی نذر ہو گئے ہیں۔ مکان و زمان نیوٹن کے نزدیک ٹھوس اور مستقل چیزیں تھیں۔ اب وہ مکان و زمان (SPACE TIME) سے بدل گئی ہیں کہ جو (SUBSTANTIAL) نہیں بلکہ روابط کا ایک نظام آمادسے نے واقعات کے ایک سلسلے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ طاقت (FORCE) اب انرجی (ENERGY) بن چکی ہے اور انرجی خود بھی ایک ایسی چیز ہے جسکو بقیہ مادہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ سبب (CAUSE) جو کہ اس چیز کی فلسفیانہ شکل تھی جس کو علمائے طبیعات فورس (FORCE) کہتے ہیں وہ اب فرسودہ ہو چکا ہے میں تسلیم نہیں کروں گا کہ یہ مر چکا ہے مگر اس میں پہلے کی طرح اب قوت باقی نہیں رہی ہے" (۱۷)

رسل اپنے بیان کے مطابق عمر بھر کی تحقیقات کے بعد آخری طور پر جس نتیجہ پر پہنچا ہے وہ یہ کہ ناقابل مظاہرہ استنباط (NON-DEMONSTRATABLE INFERENCE) بھی معقول (VALID) ہے اس کے بغیر سائنس کا پورا نظام اور روزمرہ کی زندگی دونوں مفلوج ہو جائیں گے (۲۰۲) اس کے نزدیک سائنس حقیقی دنیا (REAL - WORLD) اور اعتقادی دنیا (BELEIVED - WORLD) دونوں پر مشتمل ہے اور سائنس میں جتنی زیادہ ترقی ہوتی ہے اس میں اعتقادیات کا جزو بڑھتا جاتا ہے سائنس میں کچھ چیزیں تو مشہود حقائق ——— (OBSERVED FACTS) اور اس کے اوپر کی تمام چیزیں سائنسی مجردات (SCIENTIFIC ABSTRACTIONS) ہیں جو مشاہدگی بنیاد پر مستنبط کئے گئے ہیں کلی تشکیک ...... (UNIVERSAL SCEPTICISM) کا انکار نہیں مگر کلی تشکیک کو اختیار کرنا بھی مشکل ہے (۲۰۶) وہ لکھتا ہے :-

"میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حسی حقائق (FACTS OF SENSE) کو اور اس کے ساتھ عمومی طور پر سائنس کی سچائی کو ایک ایسی چیز کی حیثیت سے قبول کروں جو فلسفی کے لیے ابتدائی مواد

کا کام دے سکے۔ اگرچہ ان کا سچ ہونا قطعی یقینی (QUITE CERTAIN) نہیں ہے یہ کسی اور چیز کے مقابلے میں صرف ایک اونچا امکانی درجہ (HIGHER DEGREE OF POSSIBILITY) ہے جو فلسفیانہ قیاس کے لئے حاصل کی جاسکتی ہے۔ (۲۰۷)

اب ہم رسل کا ایک اور اقتباس نقل کریں گے جس سے رسل کے خیالات کی وہ تصویر مکمل ہو جاتی ہے جو ہم یہاں بنانا چاہتے ہیں۔

اس کو ہمیشہ سمجھا نہیں گیا ہے کہ نظری طبیعات جو معلومات دیتی ہیں وہ کس قدر زیادہ مجرد ..... (EXCEEDINGLY ABSTRAT) .... ہیں وہ چند خاص بنیادی مساوات (EDUATIONS) مقرر کرتی ہے جو اس کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ واقعات کے منطقی ڈھانچہ کو بیان کر سکے جب کہ واقعات کی باطنی حالت (INTRINSIC CHARACTER) بالکل نامعلوم (COMPLETELY UNKNOWN) ہو۔ نظری طبیعات میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم واقعات کی باطنی حالت کے بارے میں بول سکیں۔ طبیعات جو کچھ ہمیں دیتی ہیں وہ تمام تر صرف کچھ مخصوص مساواتیں (EQUATIONS) ہیں جو ان کی تبدیلیوں کی مجرد خاصیتیں (ABSTRACT PROPERTIES) بتاتی ہیں۔ مگر یہ کیا چیز ہے جو تبدیل ہوتی ہے اور کہاں سے تبدیل ہوتی ہے اس کے بارہ میں طبیعات خاموش ہے۔ (۱۸)

رسل اپنی کتاب "میرا فلسفیانہ ارتقا" کے باب (NON-DEMONSTRATABLE INFERENCE) کو حسب ذیل الفاظ پر ختم کرتا ہے:۔

THERE IS NO SUCH CLAIM TO CERTAINTY AS HAS TOO OFTEN AND TOO USELESSLY BEEN MADE BY RASH PHILOSOPHERS. (4, P. 207)

یعنی اس قسم کا دعویٰ کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ ہم کو صداقت کا یقینی ذریعہ معلوم ہو گیا ہے جیسا کہ اکثر بے فائدہ طور پر جلد باز فلسفی کرتے رہے ہیں

اس مطالعہ کے مطابق رسل کے لئے صرف دو راستے باقی رہ جاتے ہیں یا تو وہ تشکیک کی پناہ گاہ میں چلا جائے یا پھر مذہب کی صداقت کا اعتراف کرے کیونکہ جب صورتحال یہ ہے کہ ہم حقیقت کا صرف ظاہری ڈھانچہ دیکھ سکتے ہیں، اس کی اندرونی صداقت سے براہ راست طور پر واقف ہونا بھی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے تو دو ہی صورتیں آدمی کے لیے باقی رہ جاتی ہیں۔ یا تو وہ اقرار کرے کہ وہ اسی وقت کسی بات کو مانے گا جب وہ

آخری اور براہ راست طور پر اس کے ذاتی علم میں آجائے اب چونکہ اب تک کی تحقیقات کے مطابق اس قسم کا علم ناممکن ہے اس لئے اسے یہ کہہ کر بیٹھ جانا چاہیئے کہ "میں کچھ نہیں جانتا" مگر رسل اس پوزیشن کو قبول نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ ظاہری ڈھانچہ کی بنیاد پر اندرونی حقیقت کے بارہ میں جو استنباط کیا جائے وہ بھی جائز علم کا ایک ذریعہ ہے یہ کہہ کر وہ عین مذہب کی سرحد کے قریب پہنچ جاتا ہے کیونکہ مذہب کا کہنا بھی یہی ہے کہ انسان اپنے محدود حواس سے حقیقت کا آخری ادراک نہیں کر سکتا۔ البتہ ظاہری کائنات میں وہ جن چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے ان سے یہ قیاس کر سکتا ہے کہ وہ کونسی حقیقت ہے جو اس کے پیچھے مستور ہے مگر عجیب بات ہے کہ رسل جیسا ذہین شخص تشکیک کا بھی انکار کرتا ہے اور مذہب کا بھی اور اسے یاد نہیں رہتا کہ اس طرح وہ خود اپنے مسلمات کے مطابق ایک کھلے ہوئے تضاد کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

رسل واضح طور پر تسلیم کرتا ہے کہ ایسے عقیدے (BELEIF) بھی صحیح (VALID) ہو سکتے ہیں جن کا تجربہ EXPERIENCE نہ کیا گیا ہو۔ رسل خود بھی ایسے "عقائد" کو مانتا ہے۔ مثال کے طور پر اس کے بیان کے مطابق زمین کا قدیم ماضی، کائنات کے بعید ترین علاقے جن کا فلکیات میں مطالعہ کیا جاتا ہے (۱۰) وغیرہ یہاں میں اس کے چند فقرے اس کے اپنے الفاظ میں نقل کروں گا۔

I COMMIT MYSELF TO THE VIEW THAT THERE ARE VALID PROCESSES OF INFERENCE FROM EVENTS TO OTHER EVENTS.................................MORE PARTICULARLY, FROM EVENTS OF WHICH I AM AWARE WITHOUT INFERENCE TO EVENTS OF WHICH I HAVE NO SUCH AWARENESS...........(R.P.10)

رسل نے اسی بات کو دوسری جگہ ان الفاظ میں کہا ہے۔

I,DO THINK THINK THAT THERE ARE FORMS OF PROBABLE INFERENCE WHICH MUST BE ACCEPTED ALTHOUGH THEY CANNOT BE PROVED BY EXPERIENCE (L,R132)

میں خیال کرتا ہوں کہ ایسے قریب بصحت استنباط کے طریقے ہیں جن کو تسلیم کیا جانا چاہیئے۔ اگرچہ وہ تجربہ سے ثابت نہیں کئے جا سکتے۔

اس صریح اعتراف کے مطابق کم از کم رسل کے نزدیک، مذہب ایک ایسی چیز کی حیثیت نہیں رکھتا

جس کو دلیل سے ثابت نہ کیا جا سکتا ہو۔ کیونکہ یہاں وہ معیارِ استدلال کے جواز (VALIDITY) کو تسلیم کر رہا ہے [illegible] استدلال ہے جس کے مطابق مذہب کی صداقتوں کو ثابت کیا جاتا ہے ۔

مزید غور طلب بات یہ ہے کہ رسل نے بالواسطہ طور پر یہاں تک تسلیم کیا ہے کہ مذہب کے حق میں اس نوعیت کے استنباطی دلائل بھی موجود ہیں جن کو وہ سائنٹیفک استنباط کہتا ہے مگر اس کے باوجود وہ نہایت سرسری وجوہ کی بنا پر ان دلائل کو رد کر دیتا ہے ۔

یہاں میں برٹرنڈ رسل کا ایک اقتباس نقل کروں گا جو اس کتاب "میں عیسائی کیوں نہیں" سے لیا گیا ہے

"I THINK ALL THE GREAT RELIGIONS OF THE WORLD -BUDDHISM, HINDUISM, CHRISTIANITY, ISLAM AND COMMUNISM. BOTH UNTRUE AND HARMFUL. ..... IT IS TRUE THAT SCHOLASTICS INVENTED WHAT PROFESSED TO BE LOGICAL ARGUMENTS PROVING THE EXISTENCE OF GOD AND THAT THESE ARGUMENTS OR OTHERS OF A SIMILAR TENURE HAVE BEEN ACCEPTED BY MANY EMINENT PHILOSOPHERS, BUT THE LOGIC TO WHICH THESE TRADITIONAL ARGUMENTS APPEALED IS OF AN ANTIQUATED ARISTOTELIAN SORT WHICH IS NOW REJECTED BY PRACTICALLY ALL LOGICIANS EXCEPT SUCH AS ARE CATHOLICS.

THERE IS ONE OF THESE ARGUMENTS WHICH IS NOT PURELY LOGICAL, I MEAN THE ARGUMENT FROM DESIGN. THIS ARGUMENT, HOWEVER WAS DESTROYED BY DARWIN AND IN ANY CASE, COULD ONLY BE MADE LOGICALLY RESPECTABLE AT THE COST OF ABADONING GOD'S OMNIPOTENCE.

BERTRAND RUSSELL,
WHY I AM NOT A CHRISTIAN,

GEORGE ALLEN AND UNWIN LD.

(1959) P. XI

دنیا کے تمام بڑے مذاہب ..... بدھ دھرم، ہندو مت، عیسائیت، اسلام اور کمیونزم ..... سب کو میں غلط (UNTRUE) بھی سمجھتا ہوں اور مضر (HARMFULL) بھی ....

.... یہ صحیح ہے کہ متکلمین نے کچھ ایسی دلیلیں ایجاد کی ہیں جن کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ منطقی دلائل (LOGICAL ARGUMENTS) ہیں اور ان میں خدا کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اور اسی قسم کے دوسرے دلائل کو بہت بڑے بڑے فلسفیوں نے قبول کیا ہے۔ مگر وہ منطق جس پر ان روایتی استدلالات کی بنیاد قائم ہے وہ ارسطو کی قدیم منطق ہے جس کو عملاً اب تمام علمائے منطق رد کر چکے ہیں سوائے مذہبی لوگوں کے۔"

اس کے بعد رسل لکھتا ہے:-

" اِن دلائل میں ایک دلیل ایسی ضرور ہے جو خالص منطقی (PURELY LOGICAL) نہیں ہے میری مراد ہے نظم کائنات کی دلیل (ARGUMENT FROM DESIGN) مگر ڈارون نے اس دلیل کو بالکل ختم کر چکا ہے اور منطقی طور پر وہ صرف اس قیمت پر قابل لحاظ ہو سکتی ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ کا انکار کر دیا جائے "

WHY I AM NOT A CHRISTIAN, P. XI

اس اقتباس کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ نظم کائنات کی دلیل کو رسل نے منطقی طور پر ایک جائز دلیل (VALID ARGUMENT) تسلیم کیا ہے مگر اصولی طور پر اس کی منطقی معقولیت تسلیم کرتے ہوئے رسل کا کہنا ہے کہ ڈارونزم نے اس کی استدلالی حیثیت کو برباد کر دیا ہے یا کم از کم اس کی اہمیت بہت گھٹا دی ہے۔

رسل کے اس بیان پر ہم کسی قدر وضاحت سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں:-

رسل کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کا دعویٰ ہے کہ کائنات میں ایک نظم (DESIGN) پایا جاتا ہے اور یہ نظم اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے پیچھے کوئی شعور نہیں ہے جس نے اس کو نظم کی صورت دی ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کائنات بے ترتیب انبار کی شکل میں نظر آتی۔

رسل کے نزدیک یہ استدلال اصولی طور پر صحیح ہے۔ مگر وہ پھر کہتا ہے کہ ڈارون نے حیاتیاتی مظاہر کے مطالعہ سے ثابت کیا ہے کہ زندگی کی مختلف اقسام جو منظم اور بامعنی شکل میں زمین پر نظر آتی ہیں۔ وہ دراصل کروڑوں برس میں مادی حالات کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً زرافہ کو کسی نے پیدا نہیں کیا بلکہ بکری

جیسے جانور نے طویل فطری عمل کے بعد خود بخود لمبی گردن والے زرافہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔

یہاں مجھے ڈارونزم پر کوئی تفصیلی گفتگو نہیں کرنی ہے۔ البتہ میں یہ کہوں گا کہ رسل نے ایک استدلال کی اصولی معقولیت تسلیم کرتے ہوئے جس بنیاد پر اس کو رد کیا ہے وہ نہایت کمزور ہے۔

پہلی بات یہ کہ ڈارونزم ابھی تک ایک غیر ثابت شدہ نظریہ ہے اگر اس سے کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ زندگی کی مختلف اقسام بیک وقت وجود میں نہیں آئیں بلکہ مختلف اقسام مختلف وقتوں میں پائی گئی ہیں نیز یہ کہ ان میں ایک خاص طرح کی زمانی ترتیب ہے یعنی زندگی کی سادہ اقسام پہلے اور پیچیدہ اقسام اس کے بعد۔ مگر یہ بات آج بھی قطعی طور پر غیر ثابت شدہ ہے کہ زیادہ پیچیدہ اور بامعنی اقسام دراصل پچھلے زمانہ کی سادہ اقسام حیات ہی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں جو مادی عمل کے نتیجے میں ان کے اندر سے خود بخود وجود میں آگئیں۔ پہلی بات تو بلاشبہ مشاہدہ سے اخذ کی گئی ہے۔ مگر یہ دوسری بات قطعی طور پر علماء ارتقاء کا اپنا مفروضہ ہے جس کی بنیاد نہ حقیقتہً کسی مشاہدہ پر ہے اور نہ کسی بھی درجہ میں اس کو (DEMONSTRATE) کیا جا سکتا ہے جب کہ رسل کے استدلال کا جواز اسی دوسرے پہلو کے ثبوت پر موقوف ہے۔

نظریۂ ارتقاء کی یہ کمزوری خود ارتقاء پسند علماء تسلیم کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سر آرتھر کیتھ نے کہا ہے کہ:-

"EVOLUTION IS UNPROVED AND UNPROVABLE. WE BELEIVE IT ONLY BECAUSE THE ONLY ALTERNATIVE IS SPECIAL CREATION, AND THAT IS UNTHINKABLE."

اسی لئے ارتقاء کے مسئلہ کو دو اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک نظریۂ ارتقاء اور دوسرے سبب ارتقاء کہا جاتا ہے کہ نظریۂ ارتقاء تو یقینی ہے۔ البتہ سبب ارتقاء ابھی تک لامعلوم ہے۔ اس تقسیم کو ہم زیادہ بہتر طور پر نظریۂ ارتقاء اور دلیل ارتقاء کے الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب تک اسباب معلوم نہ ہوں، ایک نظریہ یقینی کیسے ہو جائے گا۔ گویا نظریۂ ارتقاء ایک ایسا نظریہ ہے جس کی دلیل تو ابھی دریافت نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود وہ ارتقاء پسند علماء کے نزدیک ثابت شدہ نظریہ کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ایسے کمزور نظریہ کے حوالے سے یہ کہنا کہ ہم نے مذہب کے استدلال کو برباد کر دیا ہے کس قدر بے بنیاد بات ہے۔

دوسرے یہ کہ بالفرض انواعِ حیات ارتقاء کے عمل ہی کے تحت وجود میں آئی ہوں۔ جب بھی اس سے رسل کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسل کے دعوے کو صحیح ماننے کے لئے اس مفروضہ کو ماننا بھی ضروری

ہے۔ کہ خدا کوئی ایسا ہی وجود ہو سکتا ہے جو یکایک پھونک مار کر پیدا کر دیا کرے اس کا طریق تخلیق یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ لمبی مدت کے اندر کسی چیز کو وجود بخشے۔ حالانکہ نہ صرف یہ کہ اس مفروضے کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے بلکہ اس سے خود خدا کی قدرت مطلقہ کی نفی بھی نہیں ہوتی۔

انسان ہمیشہ سے یہ مانتا رہا ہے کہ درخت اور انسان پیدا کرنے والا قادرِ مطلق خدا ہے۔ مگر یہ مشاہدہ اس کے اس عقیدہ کو متزلزل کرنے والا ثابت نہ ہو سکا کہ بچہ چالیس برس میں پورا انسان بنتا ہے اور درخت آدھی صدی اور ایک صدی میں مکمل ہوتا ہے۔ خدا کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لانے کے لئے اس نے کبھی ضروری نہیں سمجھا کہ درخت اور انسان یکایک پورے درخت اور پورے انسان کی شکل میں ظاہر ہو جایا کریں۔ اس طرح اگر آئندہ کوئی تحقیق یہ ثابت کرے کہ زندگی کے مظاہر اچانک دنیا میں موجود نہیں ہوگئے ہیں بلکہ لمبے ارتقائی عمل سے گزرنے کے بعد وجود میں آئے ہیں تو اس میں مذہب پر نظرثانی یا اس کی تردید کا سوال آخر کس لئے پیدا ہو جائے گا۔

آخری بات

میں سمجھتا ہوں کہ برٹرینڈ رسل کا مذکورہ بالا بیان ایک ملحد کی زبان سے مذہب کی اصولی صداقت کا اعتراف ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ کائنات میں ڈزائن ہے۔ اسے بھی یہ تسلیم ہے کہ ڈزائن سے ڈزائینر کا وجود ثابت کیا جا سکتا ہے۔ مگر جب وہ اس کو نہ ماننے کے لئے ڈارونزم کا حوالہ دیتا ہے تو گویا وہ نہایت کمزور بنیاد پر خود اپنے تسلیم شدہ مقدمہ کو رد کر رہا ہے کیونکہ ڈزائن کا وجود تو متفقہ طور پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے مگر ڈارونزم کوئی ثابت شدہ حقیقت نہیں۔ اس کا یہ پہلو یقینی طور پر اب بھی مفروضہ ہے کہ مادی عوامل سے انواع حیات میں بامعنی "ڈزائن" پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ڈزائن کے واقعہ کی بنا پر ڈزائینر کے حق میں استدلال تو خود رسل کے اعتراف کے مطابق صحیح ہے۔ مگر ڈارونزم ابھی اس قابل نہیں ہو سکا کہ اس کی بنیاد پر کوئی رسل اس دلیل کو رد کر دے

کتابیات

BERTRAND RUSSELL:

1- MY PHILOSOPHICAL DEVELOPMENT (1959)

2- HUMAN KNOWLEDGE (1956)

3- OUR KNOWLEDGE OF THE EXTERNAL WORLD (1952)

4- THE PROBLEMS OF PHILOSOPHY (1957)

5- WHY I AM NOT A CHRISTIAN.

(بشکریہ ہفت روزہ "المنبر" لائل پور)

ایک اہم اعلان

کراچی میں دس روزہ قرآنی تربیت گاہ

کا انعقاد

ازیکم تا دس اگست ۷۲ء

بمقام

رباط العلوم الاسلامیہ

عالمگیر روڈ۔ نزد ایک مینارہ مسجد، متصل شہید ملت روڈ۔

یہ تربیت گاہ ان شاء اللہ تحریک تعلیم و تعلّم قرآن کا
ایک اہم سنگ میل ثابت ہو گی

★

مشرکت کے خواہش مند حضرات
زیادہ سے زیادہ ۱۵ جولائی تک ذیل کے پتوں پر مطلع کریں:

۱۔ ڈاکٹر اسرار احمد۔ کوثر روڈ۔ اسلام پورہ۔ لاہور

۲۔ شیخ سلطان احمد، معرفت "آئی سا کو"
لارنس روڈ۔ نزد گاندھی گارڈن۔ کراچی

تاریخ عالم کا ایک درخشاں باب

جو غلط فہمی کا شکار ہو گیا

(ڈاکٹر سٹین وڈ قاب، سابق پروفیسر رابرٹ کالج استنبول کی تصنیف

"ISLAMIC CONTRIBUTION TO CIVILISATION"

کے ایک باب کا ترجمہ)

مترجم: پروفیسر اعجاز احمد چودھری

استاذ ہاشمی میموریل کالج آف کامرس لاہور

روشن خیالی کے اس پُرشکوہ عہدِ جدید میں یہ امر کس قدر باعثِ حیرت و استعجاب ہے کہ تعمیرِ انسانیت میں اسلامی دنیا کے عظیم الشان کارناموں سے صرف چند ذی علم لوگ ہی باخبر ہیں۔ حالانکہ امرِ واقع یہ ہے کہ سائنس کی دنیا میں پورے پانچ سو سال تک اسلامی تہذیب نہ صرف قائدانہ کردار ادا کرتی رہی بلکہ مشرق میں اسلامی ممالک ہی وہ خطہ ہائے ارض تھے جن میں سائنس کی ترویج و ترقی کے لیے باضابطہ تعلیم دی جاتی تھی۔

سائنس اور تعلیم انسانی ثقافت کے دو اہم ترین شعبے ہیں۔ مسلمانوں کی سرپرستی میں ان دونوں نے نہایت سرعت سے ترقی کی۔ آٹھویں صدی کے نصف آخر میں اسلامی بغداد کے عروج کے ساتھ ہی تعلیم و سائنس کو ترویج نصیب ہوئی جو پانچ صدیوں تک یعنی اسلامی سیاست کے زوال تک رواں دواں رہی — حقیقتاً مشرق کے اس عظیم الشان تاریخی دور میں خطۂ اسلام ہی ان علمی ترقیوں کا گہوارہ بنا رہا۔ مسلمانوں کی معاصر تہذیبیں ایسی حیرت انگیز علمی و سائنسی کاوشوں اور کوششوں سے بے بہرہ تھیں۔ یونا رومی ثقافت کی علمی قندیلیں بجھ چکی تھیں بلکہ اس تہذیب کا نام و نشان صدیوں پہلے مٹ چکا تھا۔ یورپ جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں مستغرق تھا۔ ہندی تہذیب بھی اپنے دورِ جمود میں دم توڑ رہی تھی۔ چین میں مصورانہ گلکاریوں کے باوجود سائنس

کا نام ونشان تک نہ تھا۔

عام لوگوں کو ان تاریخی حقائق کا علم تک نہیں، صرف ایک محدود طبقہ ہی ان سے باخبر ہے کیونکہ ایک طویل عرصے تک ہماری تاریخی کتب میں (ا) سلطنتوں کے عروج و زوال، (ب) مختلف اقوام کی فوجی و نیم فوجی مہمات اور (ج) شاہی خاندانوں کے احوال کا تذکرہ ہوتا رہا ہے۔ صرف ماضی قریب میں ہی مورخین نے انسانی تہذیب کی مربوط و مبسوط تاریخ لکھنا شروع کی ہے۔ اب تک تو مغرب محض تنگ نظر و متعصب رہا ہے۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور انقلاب فرانس کے بعد ہی مغربی ذہن نے مشرقی تاریخ، مشرقی آرٹ اور مشرقی مذاہب میں دلچسپی لینی شروع کی ہے۔

مغرب کی مشرق کے بارے میں بے حسی اور سرد مہری کی ایک اہم وجہ اسلام اور عیسائیت کا طبعی اختلاف اور باہمی آویزش بھی ہے۔ صلیبی جنگیں ان دونوں مذاہب کے درمیان متعصبانہ اور اشتعال انگیز تعلقات کی نمایاں اور واضح شہادت ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی تعصب و اشتعال انیسویں صدی تک اسلامی اور مسیحی ثقافتوں کے باہمی تعلقات میں ایک مہیب حاجب کا کام کرتا رہا ہے۔

عربی لسانیات سے عدم واقفیت بھی ان حقائق کے فہم و ادراک میں ایک بڑی رکاوٹ بنی رہی ہے صرف حال ہی میں چند ایک مستشرقین نے عربی علوم کا مطالعہ کرکے ان کا پرمغز ترجمہ پیش کیا ہے یہی عربی کبھی شائستہ و اعلیٰ ترین اور فصیح و بلیغ زبان گردانی جاتی تھی۔

فی الحال اس کتاب کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ماضی کی ان جائز و ناجائز تاریخی حدود (جو اقوام و ملل اور ان کی تہذیب و تمدن کو محیط تھیں) پر اشک باری کی جائے بلکہ اب تو ہمارے لیے مقام مسرت ہے کہ مشرق و مغرب کے بالغ نظر علماء تاریخ عالم کا معروضی و واقعاتی اور جامع و تشریحی مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان علماء میں سب سے پہلے جدید مورخ جارج سارٹن ہیں۔ یہ فاضل جنگ عظیم اول کے بلجی "تارک الوطن" ہیں جنہوں نے یہ عظیم الشان تاریخی نظریہ پیش کیا ہے کہ تاریخ عالم کے صحیح فہم اور قابل اعتماد ادراک کے لیے عربی زبان اور علوم کا مطالعہ نہایت اہم ہے۔ یہی وہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں ایک تحقیقاتی ادارہ قائم کیا جس میں انہوں نے سالہا سال نہایت انہماک اور جانفشانی سے مشرقیت کا قیمتی مطالعہ جاری رکھا۔ انہوں نے اس تحقیق کو اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تاریخ سائنس" میں منضبط کر دیا ہے۔ اس کتاب کی تمہید میں پروفیسر جارج سارٹن نے پہلی دفعہ عربی ثقافت اسلامیہ کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ ثقافت اسلامیہ کا انسانی تہذیب کی ترقی میں کس قدر اہم اور ٹھوس حصہ ہے۔ پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر فلپ ہٹی دوسرے امریکی مورخ ہیں جنہوں نے سامی الاصل عربی علم و ادب پر زور دیا ہے۔ ان کی

"تاریخ اقوام عرب" مشرق وسطیٰ اور اندلس کی ثقافتِ اسلامیہ پر معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔
جدید ماہرین بشریات (ANTHROPLOGISTS) نے بھی انسانی تہذیب کے مختلف گوشوں پر کافی حد تک مفید اور معلوماتی روشنی ڈالی ہے۔ یہ ماہرین عمرانی مطالعہ جات میں جداگانہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں ان کے نزدیک ملک کے بجائے خود "انسان" اہم ہے۔ جب بشر ہی موضوع تحقیق بن جائے تو بشر کی تہذیب کے مختلف ادوار خود بخود زیرِ مطالعہ آجاتے ہیں۔ ویسے بھی حیاتِ انسانی کا غاروں سے نکل کر زہرہ کی فضائی حدود کو پھلانگنے لگنا ایک دلچسپ موضوع ہے۔

اس مربوط تذکرۂ تہذیب میں عربی ثقافت اسلامیہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ دور عالمی تہذیب کا ایک اہم باب ہے۔ یہ باب تاریخ عالم کے تین ادوار کا وسطی دور ہے جو غیر سائنسی دور اوّل کو جدید عظیم الشان سائنسی دور سے جدا کرتا ہے۔ اس کو ایک ہی زنجیر کی کڑی تصور کرنا چاہیئے۔ ثقافت اسلامیہ کی سائنسی و علمی ترقیوں سے قبل یونانی علوم کی ہدایت و ناپختگی (EMBRYONICISM) دنیا بھر کے علماء پر واضح ہے۔ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی بھی عربی ثقافتِ اسلامیہ ہی کی مرہونِ منت ہے۔

مسلمانوں کا عروج بھی ڈرامائی ہے اور اسی طرح ان کا زوال بھی۔ حتیٰ کہ ۱۴۹۲ء میں آخری فرمانروائے اندلس خلیفہ عبد اللہ غرناطہ کو خالی کرتے وقت عورتوں کی طرح آنسو بہاتا ہے کیونکہ وہ بہادر مردوں کی طرح مدافعت کرنے کا اہل نہ تھا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جاں بلب ثقافتِ اسلامیہ نے کس طرح شمع سائنس یورپ کے حوالے کی جس کے نور سے مسیحی دنیا یکایک منور ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کن کن راستوں سے دنیائے مغرب کو قرن ہائے سابقہ کے علمی خزانے پہنچے جو مغرب کی جدید عالیشان عمارتِ ترقی کی خشتِ اوّل بن گئے۔ عربی ثقافتِ اسلامیہ اس تہذیبی ڈرامہ کا ایک دلچسپ باب ہے۔ (باقی)

کراچی میں
دار الاشاعت الاسلامیہ اور ماہنامہ میثاق لاہور
کے سول ایجنٹ میسرز شفیق پریس
کچہری روڈ، کراچی : فون، ۲۳۵۲۳۵

ششماہی رپورٹ

حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کراچی

جنوری ۷۲ء تا جون ۷۲ء

مرتبہ: شیخ جمیل الرحمٰن ۔ معتمد عمومی ۔

حلقہ مطالعہ قرآن کراچی کے لئے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ہر انگریزی ماہ کے پہلے اتوار اور اس سے ماقبل تین یوم کے لیے کراچی تشریف لانے کی منظوری دی تھی۔ چنانچہ ۳۱ر دسمبر ۷۱ء کو جمعۃ المبارک سے اس مبارک کام کا کراچی میں آغاز ہوا۔ خطبہ جمعہ ڈاکٹر صاحب موصوف جامع مسجد کورٹ روڈ میں دیتے ہیں۔ یہ مسجد شہر کے قلب میں واقع ہے۔ اس میں تقریباً سات آٹھ سو حضرات نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ خواتین کے لئے بھی نماز جمعہ کی ادائیگی کا اس مسجد میں مستقل انتظام ہوتا ہے۔ خطبہ کے لیے ۴۵ منٹ کا وقت مقرر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی آمد کے موقع پہ نمازیوں میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مئی اور جون کے پہلے جمعوں میں حاضری کا محتاط اندازہ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس مسجد میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے جو خطبات دیئے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۳۱ر دسمبر ۷۱ء	خطبہ جمعہ کی اہمیت
۴ر فروری ۷۲ء	مسلمانوں پہ قرآن مجید کے حقوق
۳ر مارچ ۷۲ء	سورہ واللیل کے مضامین کی تشریح و تفسیر
۳۱ر مارچ ۷۲ء	سورہ الاعلیٰ کے 〃 〃 〃 〃 (نامکمل)
۵ر مئی ۷۲ء	سورہ ہمزہ 〃 〃 〃 〃 〃

۲ر جون ۱۹۷۶ء سورہ الاعلیٰ کے بقیہ حصّہ کی تکمیل

درس قرآن کا آغاز یکم جنوری ۱۹۷۶ء کو بعد نماز عشاء ریاض مسجد دہلی مرکنٹائل ہاؤسنگ سوسائٹی شہید ملت روڈ پر ہوا۔ اس ہاؤسنگ سوسائٹی اور گرد و پیش کی دیگر سوسائٹیز میں زیادہ تر تاجروں اور صنعت کاروں کی آبادی ہے۔ بیشتر وہ لوگ آباد ہیں جو تجارتی اور صنعتی اداروں میں اونچے مناصب پر فائز ہیں۔ درس قرآن میں شریک ہونے والوں کا اوسط تقریباً ستر اسّی افراد رہا ہے۔ اہل علاقہ کے علاوہ بعض حضرات دور دراز کے مقامات سے بھی اس درس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس مسجد میں ڈاکٹر صاحب کے حسب ذیل درس ہوئے ہیں:-

یکم جنوری ۱۹۷۶ء	ہفتہ	بعد نماز عشاء	سورۂ حج کا آخری رکوع
۵ر فروری ۱۹۷۶ء	"	" "	سورہ والعصر
۴ر مارچ ۱۹۷۶ء	"	" "	سورہ حم سجدہ کی آیات از ۳۰ تا ۳۵
یکم اپریل ۱۹۷۶ء	"	" "	سورہ نور کا رکوع ۵
۷ر مئی ۱۹۷۶ء	اتوار	" "	سورہ قیامہ مکمل

۳ر جون ۱۹۷۶ء ہفتہ کو بجلی فیل ہوجانے کی وجہ سے درس نہ ہوسکا۔ مزید براں جولائی ۷۶ء سے اس مسجد میں درس جمعیت الفلاح ہال کے درس کے باعث بند کیا جارہا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مسجد باب الاسلام آرام باغ شہر کے وسط میں ماشاء اللہ ایک وسیع جامع مسجد ہے۔ اس مسجد میں ۴ر فروری ۱۹۷۶ء جمعہ کی شب سے درس قرآن کا آغاز ہوا۔ بفضل تعالیٰ ہر درس میں حاضرین کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے جو اب دو سو افراد سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ اس درس میں بھی لوگ دور دور سے شریک ہوتے ہیں۔ اس مسجد میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے اب تک حسب ذیل درس ہوئے ہیں:-

۴ر فروری ۱۹۷۶ء	جمعہ	بعد نماز عشاء	سورہ حم سجدہ کی آیات از ۳۰ تا ۳۵
۳ر مارچ ۱۹۷۶ء	"	" "	سورہ صف مکمل
۳۱ر مارچ ۱۹۷۶ء	"	" "	سورہ جمعہ "
۵ر مئی ۱۹۷۶ء	"	" "	سورہ عنکبوت کا پہلا رکوع
۲ر جون ۱۹۷۶ء	"	" "	سورہ مومنون کا پہلا رکوع

عزیز آباد اور دستگیر کالونی متوسط طبقہ کی آبادیاں ہیں - ان میں اور ان سے ملحق بستیوں میں متوسط درجہ کے تاجر، صنعت کار اور ملازمت پیشہ حضرات کی رہائش ہے - اکثریت تعلیم یافتہ حضرات کی ہے - محمدی مسجد، عزیز آباد اور دستگیر کالونی کے اتصال پر واقع ہے - اس مسجد میں پہلا اجتماع ۳ فروری جمعرات کو بعد نماز عشاء منعقد ہوا جس میں سورۃ حجرات کی آیات ۱۴ تا ۱۸ کا درس ہوا - دوسرا اجتماع ۴ مارچ ہفتہ بعد نماز عشاء منعقد ہوا جس میں سورۃ حج کے آخری رکوع کا درس ہوا - ان دونوں اجتماعات میں شرکاء کی اوسط تقریباً پچاس رہی جو کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھی، لہٰذا اپریل ۷۷ء سے یہ اجتماع بند کرنے کا ارادہ تھا لیکن بعض مقامی حضرات نے جو ڈاکٹر صاحب کی دعوت سے کافی متاثر تھے، اصرار کیا کہ ان کو ایک مزید موقع دیا جائے - چنانچہ تیسرا اجتماع ۳۰ مارچ ۷۷ء جمعرات کو بعد نماز عشاء ایک رفیق کارکن کے مکان پر رکھا گیا - جس میں شرکاء کی تعداد اسّی سے بھی متجاوز تھی اور اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی تھی - چوتھا اجتماع ۹ مئی کو بروز ہفتہ بعد نماز عشاء اور پانچواں اجتماع یکم جون کو بروز جمعرات بعد نماز عشاء اسی مقام پر منعقد ہوئے ان دونوں اجتماعات میں شرکاء کی تعداد سوا سو کے لگ بھگ تھی - چوتھے اجتماع میں درس قرآن کے بجائے ڈاکٹر صاحب نے "حقیقت ایمان" کے موضوع پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا اور پانچویں اجتماع میں سورہ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات از ۱۹۰ تا ۱۹۵ کا درس ہوا - ان اجتماعات میں خواتین بھی شریک تھیں -

---

کراچی کا مرکزی اجتماع ہر انگریزی ماہ کے پہلے اتوار کو رباط العلوم الاسلامیہ لائبریری میں صبح ½۹ بجے ہوتا ہے - یہ لائبریری ہاؤسنگ سوسائٹیز کے علاقہ میں عالمگیر روڈ پر ایک مینار مسجد کے نزدیک واقع ہے - اس علاقہ میں ذرائع آمد و رفت کی بڑی تکلیف ہے - لیکن اس کے باوجود کراچی کے مختلف اطراف سے اجتماع میں شرکت کیلئے لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ تشریف لاتے ہیں - خواتین کے لیے بھی نشست کا علیحدہ انتظام ہوتا ہے - بفضل تعالیٰ اب حاضری ڈیڑھ سو افراد سے بھی تجاوز کر رہی ہے - اس مرکزی اجتماع کا آغاز ۲ جنوری ۷۷ء بروز اتوار ہوا تھا - اس اجتماع میں ڈاکٹر صاحب کا درس عموماً دو، پونے دو گھنٹے کا ہوتا ہے - حاضرین بڑے انہماک سے پورے درس سے استفادہ کرتے ہیں - اس اجتماع میں ڈاکٹر صاحب نے حسب ذیل موضوعات پر خطاب فرمایا ہے :-

۲ جنوری ۷۷ء اتوار صبح دس بجے خطاب - جس میں حالات ملکی کا پس منظر اور پیش منظر بیان کیا گیا اور دعوت رجوع الی القرآن کی ضرورت و

اہمیت واضح کی گئی ۔

۶ / فروری ۷۶ء	اتوار صبح دس بجے	خطاب ۔ جس میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ "آیت البر" کے مطالب بیان کئے گئے ۔	
۵ / مارچ ۷۶ء	" " " "	"	جس میں سورہ لقمان کے رکوع ۲ کی تفسیر وشرح بیان ہوئی ۔
۴ / اپریل ۷۶ء	" " " "	"	سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کی روشنی میں حقیقت ایمان پر روشنی ڈالی گئی ۔
۷ / مئی ۷۶ء	" " ۹½ "	"	سورہ تغابن مکمل بیان ہوئی ۔
۴ / جون ۷۶ء	" " " "	"	سورہ حجرات مکمل کا درس ہوا ۔

کراچی ایک نہایت وسیع شہر ہے، متعدد مقامات سے مسلسل وپیہم تقاضے آتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی
مدیہ ان کے علاقوں میں بھی خطاب اور درس قرآن کے پروگرام رکھے جائیں ۔ لیکن ڈاکٹر صاحب چونکہ کتنی کے
ن کراچی کے لیے نکالتے ہیں اور ان میں بھی بعض دن تو دو دو پروگرام ہوتے ہیں اس لیے پروگراموں پر اضافہ ممکن نہیں
بتہ اکثر احباب کی اس تجویز کے پیش نظر کہ رباط العلوم الاسلامیہ کی طرز کا ایک اجتماع شہر کے وسط میں کسی ہال
ں رکھا جائے، ماہ جون ۷۶ء سے جمعیت الفلاح ہال میں ایک اجتماع کا آغاز ہوگیا ہے ۔ جمعیت الفلاح کی
ارت شہر کے تقریباً وسط میں واقع ہے ۔ شہر کے تمام اطراف کے لیے یہاں سواری آسانی سے مل جاتی ہے ۔
صدر میں ریگل بس سٹاپ ایک مشہور اور مرکزی بس سٹاپ ہے ۔ جمعیت الفلاح اس بس سٹاپ سے نصف
رلانگ پر واقع ہے ـــــــــــــــ جمعیت الفلاح میں پہلا اجتماع ۴ / جون ۷۶ء بروز اتوار بعد نماز
مغرب منعقد ہوا ۔ شرکاء کی تعداد دو سو کے لگ بھگ تھی ۔ اس اجتماع میں ڈاکٹر صاحب نے "حیات طیبہ" پر تقریر کی اور از روئے
قرآن حکیم بعثت نبوی کے مقصد کی تکمیل کے مراحل اور امّتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں کے ذیلی عنوانات پر اظہار خیال فرمایا ۔ آئندہ یعنی
ا جولائی سے جمعیت الفلاح میں ہر انگریزی ماہ کے پہلے اتوار سے ماقبل ہفتہ کے روز بعد نماز مغرب درس قرآن ہوا کریگا ۔ اس اجتماع
وجہ سے ریاض مسجد کا درس بند ہوجائیگا جو ہفتہ کی شب کو ہوا کرتا تھا ۔ البتہ رباط العلوم الاسلامیہ کا درس اتوار کو علیٰ حالہٖ جاری
ہیگا، جو اسی علاقہ میں ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ جمعیت الفلاح ہال کا اجتماع بہت جلد حاضری
لحاظ سے دیگر تمام اجتماعات سے بازی لے جائیگا ۔

ان مستقل اجتماعات کے علاوہ جناب ڈاکٹر صاحب کے حسب ذیل دو خطابات بھی ہوئے :۔ ۲ / مارچ ۷۶ء کو ڈاکٹر
صاحب نے یونین کلب سراج الدولہ روڈ پر بعد نماز عشاء "تہذیب حاضر کے فکری رجحانات اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ" کے موضوع

پر خطاب کیا۔ حاضری ستر افراد سے زائد تھی، جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی اکثریت تھی۔ یہ ایک خالص علمی تقریر تھی جو بے حد پسند کی گئی ——— ۷؍ اپریل کو جامع مسجد نیوٹاؤن میں جامعہ اسلامیہ عربیہ کے دارالحدیث کے وسیع ہال میں جامعہ کے طلبہ اور اساتذہ کرام کو خطاب کیا۔ اس اجتماع کی صدارت جناب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ نے فرمائی۔ اس خطاب میں علماء کرام اور دینی طلبا کو ملت کے ذہین و فہیم طبقہ میں دعوت تجدید ایمان اور رجوع الی القرآن کی ضرورت و اہمیت کی طرف متوجہ کرایا گیا۔ بحمد اللہ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کو کافی پسند کیا گیا اور ان کے خیالات سے بالعموم اتفاق کیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب کے خطبات اور درس ہائے قرآن کراچی میں ٹیپ کر لیے جاتے ہیں اور انہیں مختلف مقامات پر لوگوں کو جمع کر کے سنایا جاتا ہے۔ ان ٹیپ کے ذریعے دعوتی کام میں بڑی مدد مل رہی ہے۔ ایک صاحب خطبات جمعہ کے ٹیپ منتقل کر کے اپنے ٹیپ امریکہ لے کر گئے ہیں تاکہ وہاں مستقل طور پر ٹیپ کے ذریعے خطبات سنانے کا مستقل انتظام کیا جائے۔ مختلف حلقوں سے بعض حضرات اپنے ٹیپ ریکارڈز کے ذریعے خطبات اور درس ہائے قرآن ٹیپ میں منتقل کر رہے ہیں تاکہ اپنے اپنے حلقوں میں ٹیپ کے ذریعے دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز کیا جا سکے۔ حیدرآباد بھی چار ٹیپ جا چکے ہیں۔ وہاں ان ٹیپ (TAPES) کو مختلف مقامات پر سنانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ لوگ کافی دلچسپی کے ساتھ ٹیپ کے ذریعے درس ہائے قرآن اور خطبات جمعہ سننے کیلئے جمع ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہے کہ کراچی کے سفر کی وجہ سے ماہ مارچ ۷۲ء سے صادق آباد۔ رحیم یار خاں، اور سکھر میں، نیز ماہ مئی ۷۲ء سے ملتان میں بھی حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کا مستقل تنظیم قائم ہو گیا ہے۔ بعض مقامات پر کراچی سے واپسی میں اس کے لیے وقت دیتے ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ قرآن فہمی اور تعلیم و تعلّم کی اس تحریک کو کامیاب بنائے اور امت مسلمہ کو توفیق عنایت فرمائے کہ مسلمان تعلیم و دعوت قرآن کے مطابق تطہیر افکار و اذہان اور تعمیر سیرت و کردار کی طرف متوجہ ہوں، تاکہ اس کے ذریعے تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا فریضہ انجام دینے کی امت مسلمہ توفیق حاصل کر سکے اور یہ کام ہمارے لیے آخرت میں رضاء الٰہی اور نجات کے حصول کا سبب بن جائے اور دنیا میں ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید، فلاح و صلاح سے بہرہ مند ہو سکیں۔

آمین یا رب العالمین

*

مجوّزہ خاکہ

مرکزی

انجمن خُدّامُ القرآن

لاهور

- قرار دادِ تاسیس
- اغراض ومقاصد
- طریقِ کار اور منہجِ عمل
- اور قواعد وضوابط

شائع کردہ :
مجلس مُؤسّسین، مرکزی انجمن خدّامُ القرآن، لاہور
۶ - کوثر روڈ - اسلام پورہ - لاہور

۱۔ قراردادِ تاسیس

(MEMORANDUM)

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چونکہ ہمیں اس امر کا شدید احساس ہے کہ

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کا خواب

امتِ مسلمہ میں **تجدیدِ ایمان** کی عمومی تحریک

کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا

اور

اس کے لیے لازم ہے کہ اوّلاً

منبعِ ایمان و یقین یعنی قرآن حکیم کے علم و حکمت

کی وسیع پیمانے پر تشہیر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے

۴- قواعد و ضوابط

(RULES & REGULATIONS)

دفعہ ۱- **نام اور دفتر**: (الف) اس انجمن کا نام "مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور" ہوگا۔
(ب) اس کا دفتر لاہور ہی میں رہے گا۔

دفعہ ۲- **وابستگی کی صورتیں اور شرائط**: (الف) اس انجمن کے ساتھ وابستگی کی حسب ذیل چار صورتیں ہوں گی:

(i) **مؤسسین** یعنی وہ لوگ جو تشکیل انجمن کے وقت فی کس پانچ ہزار روپے یکمشت ادا کریں اور بعدازاں پچاس روپے ماہانہ زر تعاون ادا کرتے رہیں۔

(ii) **محسنین** یعنی وہ لوگ جو تشکیل انجمن کے بعد کسی مرحلے پر پانچ ہزار روپے یکمشت ادا کردیں اور بعدازاں پچاس روپے ماہانہ زر تعاون ادا کرتے رہیں۔

(iii) **مستقل ارکان** - یعنی وہ لوگ جو دو ہزار روپے یکمشت ادا کردیں اور بعدازاں بیس روپے ماہانہ زر تعاون ادا کرتے رہیں۔

(iv) **عام ارکان** - یعنی وہ لوگ جو یکمشت تو کچھ ادا نہ کریں لیکن ماہانہ زر تعاون ادا کرتے رہیں جس کا تعین ہر شخص کی استطاعت کے مطابق صدر انجمن کی منظوری سے ہوگا۔

(ب) ماہانہ زر تعاون کی ادائیگی سے عارضی رخصت یا اس میں کمی بیشی صدر انجمن کی منظوری سے ہو سکے گی۔

(ج) ماہانہ زر تعاون کی بلامنظوری مسلسل تین ماہ تک عدم ادائیگی پر مؤسسین، محسنین اور مستقل ارکان کا حق رائے دہی معطل ہو جائے گا اور عام ارکان کی رکنیت ختم ہو جائے گی۔

(د) مؤسسین و محسنین کو انجمن کے اجلاس عام میں تین تین ووٹ حاصل ہوں گے جبکہ مستقل اور عام ارکان کو علی الترتیب دو اور ایک ووٹ حاصل ہوں گے۔

(ھ) ہر چہار انواع کے وابستگان کے لیے انجمن سے علیحدگی اختیار کرنے کیلئے صرف صدر انجمن کو مطلع کر دینا کافی ہوگا۔ لیکن اس صورت میں کسی قسم کا زر تعاون واپس نہیں کیا جائیگا۔

دفعہ ۳۔ **ہیئت انتظامیہ**:۔(ا) انجمن کی ہیئت انتظامیہ ایک صدر اور ایک مجلس منتظمہ پر مشتمل ہوگی۔

(ب) صدر مؤسّس: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو اس انجمن کے صدر مؤسّس (FOUNDER PRESIDENT) کی حیثیت حاصل ہوگی اور وہ تاحین حیات اس کے صدر رہیں گے اور اس دوران میں انجمن اصلاً ان ہی کی رہنمائی اور نگرانی میں اور اُن ہی کی صوابدید کے مطابق کام کرے گی اور انہیں مجلس منتظمہ کے کسی بھی فیصلے کو کلیتہً یا جزوی طور پر رد کر دینے کا حق حاصل ہوگا۔

(ج) صدر انجمن: یہ منصب ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے انتقال یا اس سے قبل کسی سبب سے معذور ہو جانے پر وجود میں آئیگا اور اس صورت میں انجمن کی قیادت و رہنمائی کی ذمہ داری اصلاً مجلس منتظمہ کو بحیثیت مجموعی منتقل ہو جائے گی اور صدر انجمن کا انتخاب مجلسِ منتظمہ اپنے ارکان میں سے کثرتِ رائے سے کریگی۔ اور اسے حق استرداد حاصل نہیں ہوگا۔

(د) مجلس منتظمہ: بارہ ارکان پر مشتمل ہوگی جن میں سے دس ارکان منتخب ہونگے اور دو نامزد۔

(ھ) مجلس منتظمہ کے منتخب ارکان میں چار ارکان کو مؤسّسین منتخب کریں گے، دو کو محسنین، دو کو مستقل ارکان اور دو کو عام ارکان۔ جبکہ نامزد ارکان کو صدر مؤسّس یا صدر انجمن نامزد کرے گا اور یہ نامزدگی وابستگان انجمن کے چاروں حلقوں میں سے کی جاسکے گی۔

(و) مرور زمانہ کے ساتھ اگر حلقۂ مؤسّسین میں چار ارکان موجود نہ رہے تو مجلسِ منتظمہ میں ان کے حصّے کی تعداد حلقۂ محسنین کو منتقل ہوتی چلی جائے گی۔

(ز) مجلس منتظمہ کے اجلاس کی صدارت صدر مؤسّس یا صدر انجمن کرے گا اور اس کا کم از کم کورم سات ارکان پر مشتمل ہوگا۔

(ح) مجلس منتظمہ کے فیصلے کثرتِ رائے سے ہوں گے اور تمام ارکان کو رائے کا صرف ایک ایک حق حاصل ہوگا۔ آراء کے برابر برابر ہونے کی صورت میں صدر ایک مزید فیصلہ کن ووٹ استعمال کریگا۔

(ط) مجلس منتظمہ کا ایک ماہانہ اجلاس معمولاً منعقد ہوگا جس کے وقت اور ایجنڈے سے صدر انجمن تمام ارکان کو مناسب ذرائع سے کم از کم ایک ہفتہ قبل، مطلع کرے گا۔

(ی) اس کے علاوہ مجلس منتظمہ کے کم از کم پانچ ارکان کے مطالبے پر مجلس کا ہنگامی اجلاس

تین دن کے نوٹس پر بلایا جاسکے گا۔ اور صدر انجمن کی غیر موجودگی میں اس اجلاس کیلئے صدر بھی خود مجلس منتظمہ ہی منتخب کرسکے گی ۔

(ک) مجلس منتظمہ اور صدر انجمن کے انتخاب ہر دو سال بعد خفیہ رائے دہی کے طریق پر سالانہ اجلاس عام کے موقع پر ہوں گے جو ہر سال ماہ دسمبر کے اواخر میں منعقد ہوا کرے گا اور جس کی تاریخ اور پروگرام کا اعلان کم ازکم پندرہ یوم قبل کردیا جائے گا ۔

(ل) انجمن کے مختلف شعبوں کی نگرانی کےلیے صدر مؤسس یا صدر انجمن مجلس منتظمہ کے ارکان میں سے اعزازی ناظمین مقرر کرے گا جو حسب ذیل ہوں گے ۔

(i) ناظم اعلیٰ : جو جملہ تنظیمی امور کا ذمہ دار اور انجمن کے دفتر کا نگران ہوگا ۔

(ii) معتمد : جو مجلس منتظمہ کے سیکرٹری کے فرائض ادا کرے گا ۔

(iii) ناظم بیت المال : جو آمد و خرچ کے جملہ حسابات کا ذمہ دار ہوگا ۔

(iv) محاسب : جو انجمن کے حسابات کی داخلی جانچ پڑتال کرے گا ۔

(v) ناظم مکتبہ ونشر و اشاعت : جو طباعت اور اشاعت کے کاموں کا نگران ہوگا۔

(م) اعزازی ناظمین کے تحت حسب ضرورت باتنخواہ عملہ رکھا جاسکے گا۔

دفعہ (۸) **نظامِ مالیات** : (ا) انجمن ہر مسلمان سے جو اس کے مقاصد سے اتفاق رکھتا ہو جملہ انواع کے عطیات قبول کرے گی ۔

(ب) انجمن کے نام پر ایک کرنٹ اکاؤنٹ (CA/I) کسی بنک میں کھولا جائے گا ۔ اور انجمن کے نام تمام رقوم صرف اسی اکاؤنٹ میں جمع ہوں گی ۔ اور اس سے رقم نکلوانے کا مجاز و مختار صرف صدر مؤسس یا صدر انجمن ہوگا ۔

(ج) ایک دوسرا کرنٹ اکاؤنٹ (CA/II) انجمن کے نام پر کھولا جائیگا جس میں کوئی رقم براہ راست جمع نہیں ہوسکے گی اور جس سے رقم ناظم بیت المال و محاسب مشترکہ طور پر (jointly) ہی نکلوا سکیں گے ۔

(د) صدر مؤسس یا صدر انجمن براہ راست کوئی خرچ نہیں کرے گا بلکہ حسب ضرورت رقوم اکاؤنٹ CA I میں سے اکاؤنٹ CA II کو منتقل کریگا اور اخراجات سب کے سب اکاؤنٹ CA II ہی میں سے ہوں گے ۔

(ھ) ایک متعین حد (جسکا تعین مجلس منتظمہ کریگی) کے اندر رقم بطور دست گرداں ناظم بیت المال

کی تحویل ہی رہ سکے گی۔

(و) جملہ حسابات کی سالانہ جانچ پڑتال (ANNUAL AUDITING) حکومت کے منظور شدہ (AUDITORS) سے کرانی لازمی ہوگی۔

(ز) AUDITORS اور انکے معاوضے کا تعین مجلس منتظمہ کرے گی۔

(ح) حسب دفعہ ۳ (ب) و (ج)، جب تک صدر مؤسس موجود ہیں انجمن کے بجٹ اور اخراجات کا پورا معاملہ صدر مؤسس کی صوابدید پر ہوگا اور مجلس منتظمہ کی ذمہ داری صرف آمد و خرچ کی نگرانی کی ہوگی۔ صدر مؤسس کے بعد یہ اختیار بالکلیہ مجلس منتظمہ کو منتقل ہو جائیگا۔

دفعہ (۵) **ذیلی انجمنیں** :(ا) پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی انہی اغراض و مقاصد کے لیے انجمنیں قائم ہو سکیں گی۔ جو مقاصد کے اعتبار سے "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" سے منسلک شمار ہوں گی۔ لیکن انتظامی اور مالی امور میں بالکل آزاد (AUTONOMOUS) ہوں گی کہ نہ ان کے حسابات وغیرہ کی ذمہ داری مرکزی انجمن پر ہوگی نہ مرکزی انجمن کی ان پر۔

(ب) ان انجمنوں کے نام اس طرح رکھے جائیں گے۔ جیسے مثلاً "انجمن خدام القرآن کراچی"، یا "انجمن خدام القرآن ملتان"، وغیرہ

(ج) ذیلی انجمنیں اپنے "قواعد و ضوابط" خود متعین کریں گی اور ان ہی کے مطابق کام کریں گی

(د) ان انجمنوں کو اپنی سالانہ آمدنیوں کا دسواں حصہ لازماً "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کو منتقل کرنا ہوگا ورنہ وہ "انجمن خدام القرآن" کا نام استعمال کرنے کی مجاز نہ ہوں گی۔

دفعہ (۶) **طریقۂ ترمیم** : (ا) صدر مؤسس کی موجودگی میں انجمن کے قواعد و ضوابط میں کوئی ترمیم ان کی منظوری کے بغیر نہیں ہو سکے گی۔

(ب) بعد ازاں قواعد و ضوابط میں ترمیم مجلس منتظمہ دو تہائی اکثریت سے کر سکے گی لیکن اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ آئندہ اجلاس عام میں اس کی منظوری حاصل کرے۔ بصورت دیگر وہ ترمیم کالعدم ہو جائے گی۔

ہم سے طلب فرمائیں

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مُسلمانوں پر

قرآن مجیدؒ کے حقوق

جو کچھ عرصہ سے نایاب تھی ' اب

مرکزی **انجمن خدام القرآن** لاہور

کے زیر اہتمام چھپ رہی ہے

★ یہ رسالہ ، جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے ' برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہ نے ان حقوق و فرائض کی تشریح کے مقصد سے لکھا ہے جو ایک مسلمان پر قرآن سے متعلق عاید ہوتے ہیں ۔ اس زمانے میں قرآن پر ایمان کے مدعیوں کی کمی نہیں ہے لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس ایمان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب سلمہ نے قرآن کے دلائل کی روشنی میں ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشریح کی ہے اور بیک نظر محسوس ہوتا ہے کہ نہایت خوبی اور نہایت جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے ۔ انداز بیان نہایت دلنشین ' دلائل نہایت محکم اور اسلوب خطاب نہایت ہی موثر اور درد مندانہ ہے ۔ ہر مسلمان جو قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے ' اس رسالے میں بہترین رہنمائی پائے گا ۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں ۔ ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں ۔ (مولانا امین احسن اصلاحی) ★

سائز ۱۸×۲۲/۸ ' صفحات ۸۰ ' طباعت آفسٹ ' سفید کاغذ اور خوشنما کور

دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور-۱ (فون ۶۹۵۲۲)

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol 19	JULY 1972	No. 7

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبرِ قرآن

جلد اول

مشتمل بر مقدمہ و تفاسیر : آیت بسم اللہ ، سورۂ فاتحہ ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران

سائز ۸/۲۹ × ۲۲ ، صفحات ۸۸۰

عمدہ دبیز سفید کاغذ .... آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

چرمی پشتہ کی مضبوط و پائیدار جلد کے ساتھ

ہدیہ : ۳۶/۰۰ روپے

★ ★

جلد دوم

مشتمل بر تفاسیر : سورۂ نساء ، سورۂ مائدہ ، سورۂ انعام ، سورۂ اعراف

سائز ، کاغذ ، طباعت اور جلد حسب سابق ، صفحات ۸۰۸

ہدیہ فی جلد : ۳۲/۰۰ روپے

محصولڈاک فی جلد : ۳/۰۰ روپے

... شائع کردہ ...

دار الاشاعة الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱ (فون ۶۹۵۲۲)

پبلشر : محی الدین ـ طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ لاہور

مقام اشاعت : کوثر روڈ ـ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱